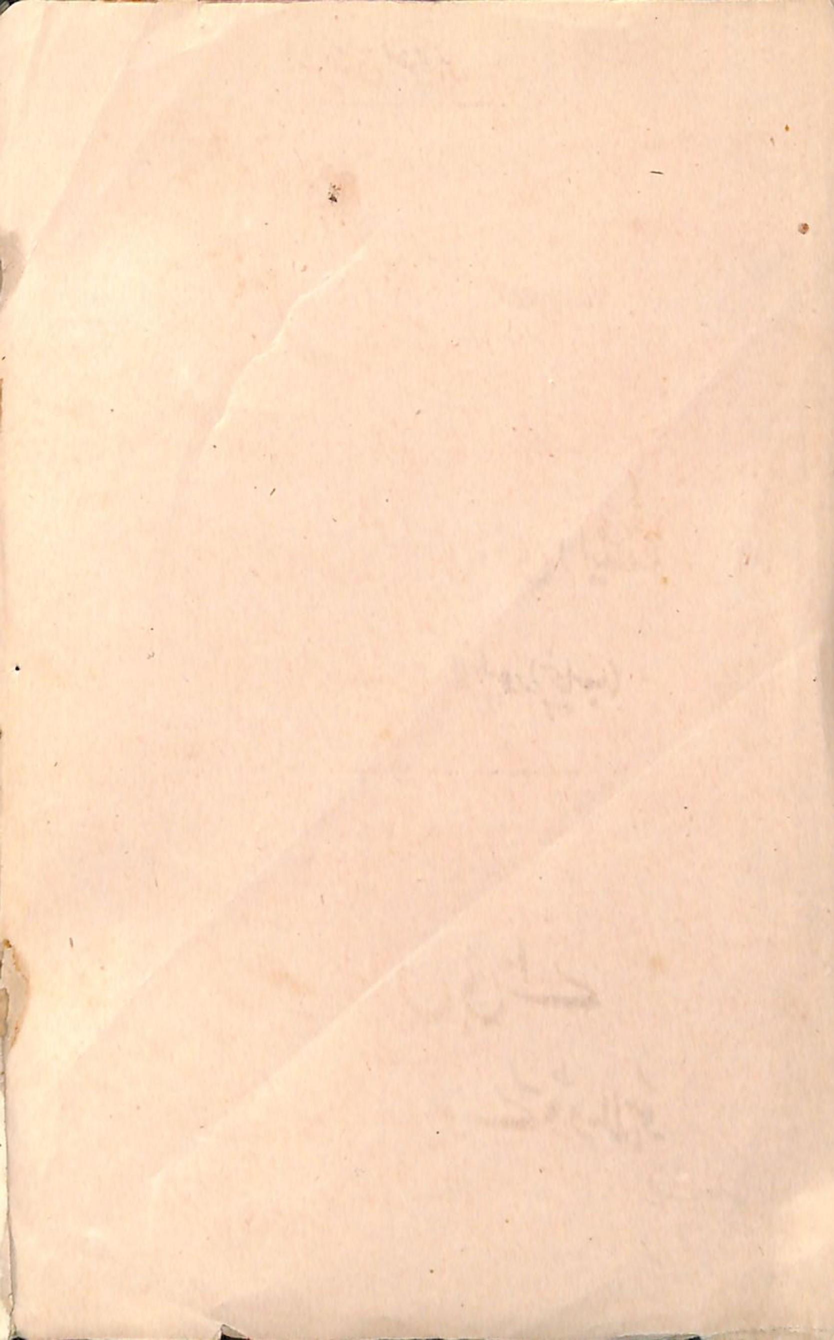
عیش دوست

مُصنّفہ
پروفیسر خادم مُحی الدّین

قومی کتب خانہ لاہور



عیش دوست

از

شیخ خادم محی الدین ایم۔ اے۔ ڈی (لیڈز)
لیکچرار گورنمنٹ کالج۔ لائلپور (پنجاب)

حسب فرمائش

محمد نصیر ہمایوں بی۔ اے
مینجر
قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور

باراول تعداد ۱۰۰۰

مسلم پرنٹنگ پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام بابو کرامت علی مینجر چھپا
اور پبلشر محمد نصیر ہمایوں نے قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور سے شائع کیا۔

پیش نامہ

از جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی (دہلوی)

میں نے اس ناٹک کو غور سے پڑھا اور پسند کیا۔ پسند کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں پلاٹ کا مرکز وہ مسئلہ ہے۔ جو اس معاشری افراتفری کے دور میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ یعنی مسئلہ ازدواج۔ اس مسئلہ میں بہت سی تنقیحیں ہیں۔ لیکن میرے دوست خادم محی الدین صاحب نے اپنے پلاٹ میں صرف ایک تنقیح کو لیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اولاد خاص کر لڑکیوں کی شادی قرار دینے کے وقت اصولاً کن امور کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے۔ جس پر ہر خاندان کے بزرگ کی پوری اور خالص توجہ ہونی چاہیئے۔ جو والدین اپنی بیٹیوں کی نسبت کے وقت یہ حساب کتاب لگاتے ہیں۔ کہ اس رشتے سے ہمارے خاندان کی عزت اور رسوخ میں ترقی ہوگی۔ اور لڑکوں کو روزگار ملنے میں سہولت ہوگی۔ اور محض

اس امر کو دوسرے یا تیسرے درجے پر رکھتے ہیں۔ کہ ان کی لخت جگر اپنی طبیعت کی اُٹھان۔ مزاج کی افتاد اور میکے کی فضا کے لحاظ سے فلاں شخص کے عقد میں سکھی رہیگی یا نہیں۔ وُہ اپنی اولاد کے حق میں دشمنی کرتے ہیں ۞

جیسا کہ ابتدا میں اشارہ ہوا۔ اس انقلابی زمانے میں ہم ہندو ہوں یا مسلمان، ایک عجیب دور سے گزر رہے ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ کل کیا ہوگا۔ سب کام اندھا دھند میں ہو رہا ہے۔ لڑکیاں پڑھ پڑھ کر نوکریاں کر رہی ہیں۔ لڑکے یورپ امریکہ سے دلہنیں لا رہے ہیں۔ شادی کے اشتہار عجیب و غریب مناظر پیش کر رہے ہیں۔ ابھی ایسے ایک اشتہار میں دیکھا گیا۔ کہ "دولھا بیاہ کے بعد تعلیم کی تکمیل کے لئے اپنے خرچ پہ یورپ جائے"۔ اس کے علاوہ ضبط تولید کے بارے میں اخباروں کے کالم سیاہ کئے جا رہے ہیں۔ اور نوجوانوں کا میلانِ طبع "کمپینٹ میرج" کی طرف بھی پایا جاتا ہے۔ جو سبق انہوں نے امریکہ اور یورپ سے سیکھا ہے۔ یہ سب کچھ ذہن کی ایک بحرانی کیفیت سے ہو رہا ہے۔ یہ سب خارجی دقتیں ہیں۔ داخلی نقائص استقرار نسبت سے متعلق دکھا ہیں۔ جو نئے اور پُرانے فیشن، دونوں قسم کے لوگوں کے ذہن پر مسلط ہیں۔ ہمارے دوست نے ان میں سے ایک کو لیا اور خوب نباہا۔ فن کے اعتبار سے یہ ناٹک بے عیب ہے۔

بڑا نقص آج کل کے تمثیل نگاروں میں پلاٹ اندر پلاٹ اور خلط مبحث کا ہے۔ اس سے یہ تمثیل پاک ہے۔ اس میں ایک نوجوان اور ایک خاتون آتے ہیں۔ جن کے اخلاق اور شعار میں بہ وجوہ کوئی تناسب اور توازن نہیں۔ ان کو دنیاوی اور ذاتی اغراض کی تکمیل کی اُمید پر عقد نکاح میں وابستہ کردیا جاتا ہے۔ نوجوان دولھا اس طبقے میں سے لیا گیا ہے۔ جس نے اپنی اور وطن کی بدنصیبی سے مغربی زندگی کے بہت سے معائب اپنے میں جذب کئے ہوئے ہیں۔ جن نمونوں کی ہمارے ہاں، افسوس ہے، کہ کمی نہیں نتیجہ نہایت افسوسناک ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی روزمرہ کی زندگی میں ہوا کرتا ہے۔

میری رائے میں خادم صاحب نے یہ ناٹک لکھ کر سماج کی بیش بہا خدمت کی ہے۔ جس کے لئے ہمارے تمام ارباب وطن کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے۔ ہر گھر اور گھروندے میں یہ کتاب پڑھی جانی چاہیئے۔ اور ملک کی بہت سی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہونا چاہیئے میں دعائے خیر کے ساتھ عزیز مصنف کی نیک خیالی اور خیر اندیشی کی داد دیتا ہوں۔

۷۷ ڈی۔ ماڈل ٹاؤن

۲۲ ستمبر ۱۹۳۵ء

دستخط حضرت) کیفی

عرض حال

ہر چند کہ ظاہرہ طور پر ہندوستان مغربی تہذیب اختیار کر چکا ہے۔ لیکن اسی نسبت سے ہمیں وہ اطمینان نصیب نہیں۔ جو ان تمام لوازماتِ تہذیب کی موجودگی میں ہونا چاہیئے۔ مذہب کی طرف سے تو ہم بے نیاز ہیں ہی۔ اگر یہی بے نیازی ہماری خانگی زندگی میں بھی پورے طور پر سرایت کر گئی ہوتی۔ تو ہم پورے مہذب ہو جاتے۔ لیکن چند بچے کھچے بزرگان دین اور مذہبی روایات قدیمہ کی موجودگی میں (غنیمت ہے) کہ ایسا نہیں ہؤا۔ اس فضا میں بعض سماجی بندھنیں حائل ہیں جنہیں ہم... بہت زیادہ باوقعت سمجھتے ہیں مثلاً ایک طرف تو پردے کا اڑنگا ہے۔ جس کے سبب "تعلیم یافتہ" اصحاب اپنی مستورات کے ساتھ مل کر کلب لائف کا لطف پورے طور پر نہیں اٹھا سکتے اگر پردہ اُٹھایا بھی تو ڈرتے اور سہمتے ہوئے۔ دوسری طرف بزرگوں اور رائے عامہ کا خوف ہے۔ ان وجوہ سے وہ آزادی کے ساتھ خوش وقت نہیں ہو سکتے۔ اور ان قیود کے باعث

خانگی زندگی میں بے اطمینانی کا سامنا ہے۔ اس خلش کی مورد عتاب وہ ذات ہے جس کا نام "زوجہ" ہے۔ فی زمانہ ان لوگوں کے گھروں میں بی زوجہ کی مٹی خراب ہے۔ اور اس کا باعث عورت کی بیچارگی ہے۔ اس کے برعکس یورپ میں عیش پرست مرد اپنے گھر میں ذلیل و رسوا ہے۔ اور واﺋے برحال ما کہ ہمارے مغرب زدہ ہندوستانی اس ذلت کو اختیار کرنا اپنی مغربی تکمیل کا باعث سمجھنے لگے ہیں۔ بقول اکبر مرحوم ع

بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کبتک؟

جب یہ حضرات اپنے گھروں میں ایک روکھی پھیکی زندگی کا نقشہ دیکھتے ہیں۔ جو فلم کے نظاروں اور ناچ گھر کی رومانیت کے برعکس ہے۔ تو وہ اپنی خلش کا علاج یا تو کلبوں میں برج اور ڈانس کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں اور یا نکاح ثانی کر کے، لیکن ان ذریعوں سے باوجود اخراجات کثیر کے شانتی پھر بھی حاصل نہیں۔ اس لئے کہ گھوم گھام کر پھر انہیں گھر کی چار دیواری ہی میں لوٹنا پڑتا ہے۔ اور وہ مسرت جس کے یہ متلاشی ہیں۔ نصیب نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس تمام سرگردانی کا منتہا پھر وہی خلش ہے۔ جس کا صحیح علاج دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ سماج خانگی زندگی کا درست راستہ اختیار کر سکے۔

"عیش دوست" اسی علاج کے دریافت کرنے

اور اسی خلش کا علاج بتانے کی ایک کوشش ہے۔ جسے پڑھ کر یا تختے پر پیش کر کے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ہر موجودہ ناٹک کی ہیئت "درس عبرت" دینے کے منافی ہونی چاہیئے لیکن اگر اس ناٹک کے افراد میں مسٹر "اشرف" اس قسم کے درس کے متعلق زبان کھولیں۔ تو ناظرین اسے قابلِ معافی سمجھیں

ماڈل ٹاؤن

خادم محی الدین
یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء

افرادِ تمثیل

جس ترتیب سے سامنے آتے ہیں

(۱) ثروت . . . . . . بصیر علی خاں کی لڑکی
(۲) جمیل احمد . . . . . . " " کا لڑکا
(۳) عائشہ . . . . " " کی زوجہ
(۴) قمرن . . . . " " ملازمہ
(۵) بصیر علی خاں . . . قصبہ رسول پور کا ایک متمول راجپوت زمیندار
(۶) مرزا مسعود بیگ . . . . . . محکمہ انہار کا ڈپٹی کلکٹر
(۷) ذاکر علی . . . . ایک اوباش ۔ مسعود کا یار غار
(۸) رمضانی . . . . مرزا مسعود کا معتبر ملازم ۔ مڈل پاس
(۹) اشرف خاں . . . . . . ای ۔ اے ۔ سی ۔ مسعود کا دوست
(۱۰) کلّن . . . . مرزا مسعود کا ادنیٰ ملازم
(۱۱) کلثوم . . . . مرزا مسعود کی پہلی بیوی
(۱۲) فہمیدہ . . . . کلثوم کی ہمسائی
(۱۳) بشیر علی خاں بی اے ایل ۔ ایل ۔ بی وکیل ۔ جمیل کا چچا

نوٹ :۔ اس تمثیل میں سارے اشخاص فرضی ہیں

پہلا ایکٹ۔ پہلا سین

وقت دن کے دس بجے

[قصبہ رسول پور میں نصیر علی خاں کے مکان کا زنان خانہ۔
ثروت فرش پر بیٹھی کشیدہ کاڑھ رہی ہے۔ اس کا بھائی جمیل ابھی ابھی باہر سے آیا ہے۔ اور چارپائی پر دونوں ہاتھ اپنی پچھلی طرف ٹیک کر دم لے رہا ہے۔ شکاری کوٹ کے بٹن کھلے ہیں۔ سر پر ترکی ٹوپی اوڑھے ہوئے جودھ پوری برجس اور پاؤں میں بوٹ پہنے ہوئے ہے۔ اس کی عمر ۱۹ برس کے لگ بھگ ہے۔ اور ثروت کی عمر ۲۰، ۲۱ برس کے قریب ہے۔ ہندوستانی وضع کے لباس میں ہے۔
کمرہ زمینداری اور شہری مخلوط طرز سے آراستہ ہے۔ کارنس چوبی پر چینی اور پیتل کے برتن چنے ہیں۔ سٹیج کے بائیں طرف تخت پوش بچھا ہے۔ دائیں طرف چارپائی۔ وسط میں ایک مونڈھا کرسی نما رکھا ہے۔ دیواروں پر دائیں بائیں قطعات آویزاں

ہیں ٭

ثروت :- اونہہ! جب دیکھو مقدمہ۔ آخر یہ مقدمہ ہے کیا بلا؟

جمیل :- (بوٹ کے تسمے ڈھیلے کرتے ہوئے) آپا تمہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ مقدمہ کیا ہوتا ہے؟

ثروت :- (ہنسکر) مَیں کیا جانوں بھیّا۔ تمُ ہی بتا دو نا!

جمیل (بوٹ اُتار کر اور جوتا پہنکر) جب دو فریق کسی بات پر جھگڑ پڑتے ہیں۔ اور معاملہ آپس میں نبٹا نہ سکیں۔ تو وُہ حاکم کی عدالت میں جا کر جھگڑا چکانے کے لئے پیش ہوتے ہیں۔ اسے مقدمہ کہتے ہیں۔

ثروت :- ابّا جیسے دیندار آدمی کو خواہ مخواہ کے جھگڑے کرنے سے کیا واسطہ؟

جمیل :- (کھڑے ہو کر کوٹ اتارتے ہوئے) زمیندار سے میں مقدمے ہُوا ہی کرتے ہیں۔ ابّا کا خیال ہے۔ کہ ہم ٹھہرے اُونچے گھرانے کے زمیندار۔ ہم کسی سے دب کر کیوں رہیں؟ مگر میں سمجھتا ہوں۔ کہ وُہ بے فائدہ درد سر مول لیتے ہیں۔ انہیں مقدمہ بازی کا کچھ ایسا ہی چسکا پڑ گیا ہے آئے دن یہی شغل رہتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو دوسروں کے جھگڑے چکاتے پھرتے ہیں۔ بقول ناظر ؎

زید کی ہو یا عُمر کی گٹھڑی　　اپنے سر پہ اُٹھانے والے

ثروت :۔ قمرن کہہ رہی تھی۔ کہ آج تو ابّا ضرور ہی آجائینگے
انہوں نے بہت دن لگائے۔ آنے تو دو۔ میں اُن سے
بولوں گی ہی نہیں۔ غیروں کے کام تو کرتے رہتے ہیں
اور گھر کے کاموں کی خبر ہی نہیں لیتے۔
جمیل :۔ یہ تو نہ کہو۔ خبر کیوں نہیں لیتے۔ وُہ گھر کا بھی ایک
ضروری کام کرنے کو کہہ گئے تھے۔
ثروت :۔ کون سا کام؟
جمیل (ہنسکر) سمجھ جاؤ۔
ثروت :۔ میں کوئی ولی تو ہوں نہیں کہ غیب کا حال بتا سکوں؟
جمیل :۔ بتاؤں کیا؟
ثروت :۔ تمہیں میری جان کی قسم۔ ضرور بتاؤ۔
جمیل :۔ (قہقہہ لگا کر) بی آپا کے لئے رشتے کی تلاش۔
ثروت :۔ (بگڑ کر) بس جی بس۔ رہنے دو ایسی دل لگی کو۔
جمیل :۔ اس میں بگڑنے کی بات ہی کیا ہے؟
ثروت :۔ پہلے تمہارا رشتہ تو کریں۔ پھر دیکھا جائیگا۔
جمیل :۔ ہم تو برسر روزگار ہو کر ہی شادی کرائینگے۔ بزرگوں
کا حق پہلے اپنا پیچھے۔
ثروت :۔ معاف کیجئے۔ مَیں آپ کے پاس نہیں بیٹھونگی۔

(اُٹھ کر جانا چاہتی ہے)

جمیل :- (ہاتھ پکڑ کر) خفا ہو گئیں آپا؟ بیٹھ جاؤ (بٹھا لیتا ہے)

ثروت :- سچ جانو بھیّا - ابّا گھر میں نہ ہوں - تو بے رونقی سی رہتی ہے - ہے نا؟

جمیل :- (مونڈھے پر بیٹھ کر ٹوپی اُتارتے ہوئے) بے شک مگر آج تو وُہ انشاءاللہ ضرور ہی آجائینگے -

(اندر سے عائشہ کی آواز آتی ہے "ثروت - ثروت! تم کہاں ہو؟" جمیل اخبار دیکھنے لگتا ہے)

ثروت :- (بلند آواز سے) یہ رہی امّاں جان (عائشہ اندر آتی ہے اس کی عمر ۴۵ اور ۵۰ کے درمیان ہے)

عائشہ :- دن بھر سلائی، دن بھر کشیدہ - کیا تجھے یہی کام کرنا رہ گیا ہے؟ آج تیرے ابّا کی آمد کی خبر ہے - ذرا کھانے کی سدھ لے - وُہ آ گئے اور کھانا تیار نہ ملا - تو مجھے کہنا دینگے - میں ذرا تیرے ماموں کی مزاج پُرسی کر آؤں - دو دن سے ان کی طبیعت اچھّی نہیں -

ثروت :- ایک پھُول اور بنا لوں اماں - پھر جاتی ہوں -

عائشہ :- یہ تو کیسی بادلی لڑکی ہے - میری تو کوئی بات ہی دھیان سے نہیں سنتی -

جمیل :- قمرن کو جو کہہ دیجئے اماں - آپا کو کشیدہ ختم کر لینے دیجئے

عائشہ :- بھئی اللہ! یہ لڑکی کام سے کیسا جی چُراتی ہے - او بھئی قمرن مصالحہ پیس رہی ہے - اور پھر میں اسے اپنے ساتھ چولہے کر جاؤنگی - اُٹھ ذرا اندر صحن میں چلی جا - دیگچی آگ پر رکھی ہے - کھانا جل نہ جائے کہیں (قمرن آتی ہے)

قمرن :- بیگم! میاں آ گئے - باہر دیوان خانے میں ستار رہے ہیں -

عائشہ :- اے لو وہی ہوا نا - جو میں کہتی تھی - لپک کر ہنڈیا کو دیکھ قمرن! آٹا گوندھا رکھا ہے کیا؟

قمرن :- جی نہیں - مصالحہ پس جائے - تو ابھی گوندھے لیتی ہوں (جاتی ہے)

عائشہ :- ثروت! کیا اُٹھے گی بھی یا نہیں؟

جمیل :- گھبرانے کی کیا بات ہے امّاں - ذرا ابّا سے تو مل لینے دو -

(بصیر خاں اندر آتا ہے - ثروت اور جمیل اُٹھ کر تعظیم کرتے ہیں - بصیر خاں پرانی وضع کا انگرکھا اور سفید پگڑی پٹکا گلے اور چھاتی کے اردگرد پہنے ہوئے ہے چھوٹی اور کھچڑی داڑھی ہے - عمر ۵۰ سے کچھ اُوپر ہے شرعی پاجامہ اور سلیم شاہی جوتا پاؤں میں ہے - ڈیل ڈول سے تنومند دکھائی دیتا ہے -)

جمیل :- آداب عرض ابّا جان -
ثروت :- ابّا جان - تسلیم -
نصیر :- جیتے رہو بیٹا - کہو تم سب اچھے ہو -
جمیل :- الحمد للہ - سب خیریت سے ہیں -
عائشہ :- دو دن کا وعدہ کر کے چھٹے دن گھر آنا (مُسکراتے ہوئے) کہاں کی انسانیت ہے - مَیں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی - کہ غازی پور گئے، شہر کی ہوا کھائی اور پھر وہاں سے لوٹ کر گھر آنے کو ان کا جی نہیں چاہے گا - (بیٹھ جاتی ہے)
نصیر :- (مونڈھے پر بیٹھ کر - جمیل و ثروت بھی بیٹھ جاتے ہیں) دُنیا داری کے جھمیلے ایسے ہی ہوتے ہیں - تمہیں کیا خبر - بہرام پور والے مقدمہ کی پیشیاں بھگتاتے ہوئے دو سال ہونے کو آئے - اب تک زمین کی ملکیت کا معاملہ طے نہ ہُوا - مَیں بھی قبضے کا دعویٰ تھوڑا ہی چھوڑ دونگا؟
جمیل :- اجی ابّا ان عدالتی معاملوں کو چھوڑیئے بھی کہیں - ناحق اپنی جان کو ہلکان کرنے سے فائدہ ؟
نصیر :- میاں تم ٹھہرے تعلیم یافتہ آدمی - تُم اب زمیندارے کے ڈھب کے نہیں رہے - زمیندارہ کرو - تو معلوم ہو (ٹپکے سے پاؤں کی گرد جھاڑ کر) اف آج تو پانچ کوس کا سفر کرنا دو بھر ہو گیا - راستے میں لاری جو بگڑی تو پھر

درست نہ ہو سکی۔ آخر پیدل چلنا پڑا۔ کہو ثروت بخیریت
سے ہو؟

ثروت :۔ (پاس آکر) ہم نہیں بولینگے آپ سے۔

بصیر :۔ کیوں؟

ثروت :۔ اتنے دن گھر سے غیر حاضری کی سزا ہیں۔

بصیر :۔ (ہنس کر) باولی لڑکی۔ دیر تو ہوئی تھی۔ کام ہی ایسا
تھا۔

ثروت :۔ اپنے مقدمے کا کام ہوگا۔ ہمارے لئے کیا لائے؟

بصیر :۔ بہت اچھی خبر۔ میں تیرے بیاہ کی فکر میں تھا نا!
دو ایک رشتوں کی تلاش کر آیا ہوں۔

ثروت :۔ (اُٹھکر) جب دیکھو آپ کو یہی رٹ لگی رہتی ہے۔
ہمیں گھر سے نکال دینا چاہتے ہیں کیا؟ (جاتی ہے)

بصیر :۔ (ہنسکر) پگلی کہیں کی۔ ارے ذرا ٹھہر تو سہی۔ لاحول
ولاقوۃ۔ ہماری بہو بیٹیاں شرم و حیا کی پوٹ ہوتی ہیں۔

عائشہ :۔ جوان لڑکی کے سامنے ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔
تمہیں تو عقل و شعور ہی نہیں۔

بصیر :۔ بھئی واہ۔ شرع میں شرم کیسی۔ رشتے کے معاملہ
میں تو مذہب کا حکم ہے۔ کہ لڑکا اور لڑکی دونو کی رائے
دریافت کر لینا چاہئے۔ اس شرم ہی نے تو بہت سے

گھرانوں کو تباہ کیا ہے۔

عائشہ :۔ تم تو عمر بھر واہی تباہی باتیں کرتے رہے۔

جمیل :۔ کیا آپا کے لئے کوئی رشتہ تلاش کیا ابّا جان؟

بصیر :۔ رشتہ کرنا آسان کام نہیں۔ ایک دو آدمی میری نظر میں ہیں۔ کوشش کرنے سے انتظام ہو جائیگا۔

جمیل :۔ خوب۔ بتایئے تو!

عائشہ :۔ یہ تم باپ بیٹوں کو ہو کیا گیا ہے۔ اللہ رکھے گھر کے اچھے خاصے رشتے چھوڑ کر شہر میں ٹکریں مارتے پھرنا کہاں کی شرافت ہے؟

بصیر :۔ جی ایک بھی کام کا نہیں۔

عائشہ :۔ کیوں نہیں؟ بھائی کریم حیدر کا لڑکا اصغر کیا بُرا ہے؟ چلو یہ نہ سہی تو تمہارا اپنا بھتیجا محمود۔ دونو ماشاءاللہ جوان ہیں۔ زمیندارہ کرتے ہیں۔ آسودہ حال ہیں۔

بصیر :۔ واہ! اللہ آمین کی ایک ہی لڑکی اور اسے بھی زمیندار کو میں بیاہ دوں گی کیا؟

عائشہ :۔ نوج! تو کیا میں کسی پرائے گھر میں رشتہ کرنے بیٹھونگی؟

جمیل :۔ اماں یہ دونو لڑکے تو ان پڑھ ہیں۔ آج کل ہر جگہ لکھے پڑھوں کی مانگ ہے۔ اور وہ ہزاروں کی تعداد میں ملتے ہیں۔

عائشہ :- ہم تو نہیں ملنگتے پڑھے لکھوں کو۔ ہمیں تو اپنے ہاں کے اَن پڑھ ہی اچھے - لکھے پڑھے شہری کس کام کے؟ نہ انہیں خدا رسول کا ڈر نہ شرم وحیا - نہ مذہب نہ اخلاق -

نصیر :- پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں - شہر میں نیک آدمیوں کی کمی نہیں میں تو اپنی بیٹی کو کسی گریجوایٹ (گریجوایٹ) دولتمند کے ہاں بیاہونگا -

جمیل :- بالکل بجا ارشاد فرمایا -

عائشہ :- اپنے بزرگوں کی ریت چھوڑ غیروں میں رشتہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے - ایسا ہمارے ہاں نہ کبھی ہُوا نہ ہوگا - اگر لکھا پڑھا درکار ہے - تو میری خالہ زاد بہن کا لڑکا احمد کیا بُرا ہے ؟

جمیل :- اماں وُہ تو فقط خط پتر ہی لکھ سکتا ہے - یا قرآن پڑھ لیتا ہے -

عائشہ :- تو اور ہمیں کیا چاہیئے - تُم نے تو قرآن بھی نہیں پڑھا - اور بنے پھرتے ہو بڑے پڑھے لکھے - جس نے دین کا علم نہیں پڑھا - اس نے خاک بھی نہیں پڑھا - نام کو چار جماعتیں پاس کر لی ہیں - مزاج کی یہ حالت ہے - کہ کبھی ٹھکانے ہی نہیں ہوتا - گھر کی کوئی چیز تمہیں پسند ہی نہیں آتی - آرام طلبی کی یہ حالت ہے - کہ ذرا کھیت کا چکر لگایا اور

ہانپنے لگے۔ دم پھول گیا۔ احمد ماشاءاللہ چاق چوبند۔ با اخلاق جوان ہے۔ تمیز کے ساتھ بات کرتا ہے۔ اسے بڑوں کا ادب چھوٹوں کا لحاظ ہے۔ خوش شکل۔ خوش سیرت۔ خوش مزاج ہے۔ پھر تمہیں کیوں پسند نہیں؟

بصیر:۔ خالی شکل و صورت کو لے کر کوئی کیا کرے؟ تم ٹھہریں گاؤں کی رہنے والی۔ تمہیں شہری تعلیم یافتہ لوگوں کے ٹھاٹھ کیا معلوم؟ وہ لوگ بڑے شائستہ۔ بڑے مہذب ہوتے ہیں۔ بڑی شان سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں عیش و آرام کے سب سامان مہیا ہوتے ہیں۔ ایسا رشتہ اچھا یا ایک زمیندار کے ہاں بیاہ کرنا جہاں فقط اللہ ہی کا نام ہو؟ اور تمام عمر کنوئیں کے مینڈک کی طرح ایک ہی حالت میں بسر ہو جائے۔

جمیل:۔ اجی۔ انہیں شہری دلچسپیوں کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟

عائشہ:۔ بس بس رہنے دو۔ ایسی شائستگی اور دلچسپیوں کو۔ ثروت کہاں کی ایسی لکھی پڑھی ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ قرآن۔ حدیث۔ مسئلہ مسائل سے بخوبی واقف ہے۔ شہر میں بیاہ کر کے اس کی فضیحتی کراؤ گے کیا؟ دیکھ لیا تھا میں نے بھی کرامت شاہ بلسٹر (بیرسٹر) کے ہاں شادی میں بہو بیٹیوں کو بے پردہ موٹر میں لئے پھرنا۔ ان لونڈیوں

کا بزرگوں کی ہنسی اڑانا۔ آپس میں انگریزی میں گٹ مٹ کرنا کہاں کی تعلیم ہے؟ یہی حال ان کے مردوں کا ہے۔ نا صاحب میں تو تم سے اتفاق نہیں کرتی۔ ناز و نعمت کی پلی ہوئی بچی خواہ مخواہ وہاں جا کر ذلیل و خوار ہو۔

بصیر:۔ (بلند آواز سے) تم اتفاق کرو یا نہ کرو۔ میری بلا سے میں تو ثروت کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہوں۔ کسی افسر مثلاً تحصیلدار ڈپٹی کلکٹر یا سب جج کے ہاں اس کی شادی کرونگا۔ تاکہ اس سے ہمارے زمیندارہ کے بھی سو طرح کے کام نکلیں۔

عائشہ:۔ خوب! تو یوں کہو۔ کہ اس شادی کی آڑ میں مقدمہ بازی کا شوق پورا کرنا ہے۔

بصیر:۔ (بلند آواز سے) بے شک۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ میں تو ثروت کی شادی اپنی ہی مرضی سے کرونگا۔ اب تمہاری رائے کو اس معاملہ میں دخل نہیں دیا جائیگا۔ مجھے عمر بھر کے تجربہ کے بعد اب ثابت ہوا۔ کہ عورتیں عقل میں مردوں کی برابری نہیں کرسکتیں۔

عائشہ:۔ یا اللہ تیری پناہ! (منہ بسور کر) عمر بھر خدمت کرنے کے بعد اب ہمیں یہ انعام ملا۔ کہ ہم عقل سے خارج بتائی جا رہی ہیں۔

بصیر:۔ جمیل! تم ذرا حقہ تو لا لاؤ (جمیل جاتا ہے) میرا

یہ مطلب نہ تھا۔ کہ خدانخواستہ تم عقل سے خارج ہو۔ البتہ تم دن رات گھر کے پنجرے میں بند رہنے والی، کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی چکر میں گھوم رہی ہو۔ دُنیا کے حالات کیا جانو؟ گھر سے نکل کر دیکھو تو معلوم ہو۔ آخر میں بھی لڑکی کا بدخواہ تو ہوں نہیں۔ زمانہ بدل گیا ہے۔ حالات نے یہاں تک پلٹا کھایا ہے۔ کہ اب تو بیاہ شادی کرتے وقت لڑکا لڑکی سے پوچھ لیا جاتا ہے۔ اور تمہیں بھی پوچھ لینا چاہئیے۔ (قمرن حقہ لا کر رکھ دیتی ہے۔ جمیل پھر آ کر بیٹھ جاتا ہے)

قمرن: ۔ میاں کھانا تیار ہے۔ تشریف لے چلئیے۔

نصیر: ۔ ہاں ذرا حقہ پی لیں۔ پھر آتے ہیں۔

قمرن: ۔ بہت اچھا (جاتی ہے)

عائشہ: ۔ یاالٰہی خیر۔ کیا کبھی گھروں میں رشتہ کرتے وقت لڑکیوں سے بھی پُوچھا کرتے ہیں؟ میں پُوچھتی ہوں۔ کہ یہ تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ کیا کچھ نشہ تو نہیں پی لیا۔ جو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

جمیل: ۔ امّاں جان۔ گستاخی معاف فرمائیے گا۔ آج کل دُنیا بہت ترقی کر چکی ہے۔ تعلیم کا دَور دورہ ہے۔ اگر ہم نے ثروت کو کسی سکول یا کالج میں تعلیم نہ دلوائی۔ تو بہت

برا کیا۔ آج کل تو عورتیں مردوں سے بڑھ چڑھ کر تعلیم کے میدان میں قدم رکھ رہی ہیں۔ اور بیاہ شادی کے معاملہ میں اعلیٰ خاندان۔ تعلیم اور دُنیاوی حیثیت سبھی چیزوں کی پرکھ کی جاتی ہے۔

عائشہ:۔ اسی مارے تو مَیں کہتی ہوں کہ ہماری بچی چونکہ خُدا کے فضل سے اس تعلیم کی بلا سے محفوظ رہی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اس کی شادی بھی ایسی جگہ کریں۔ جہاں وُہ اپنی حالت کے بموجب خوش و خرم رہے۔ یہ کیا کہ ماں ٹینی باپ کلنگ نیچے دیکھو رنگ برنگ۔ ہمیں اپنی حیثیت پر غور کرنا چاہئے۔ اگرچہ خُدا کا دیا سب کچھ ہے۔ مگر افسروں اور انگریزی دانوں کے ہاں ہماری بچّی کا کیسے گزارہ ہو گا؟

جمیل:۔ اماں تم ناحق ضد کر رہی ہو۔ اس کا گزارہ ہو گا اور ضرور ہو گا۔ اگر وُہ انگریزی نہیں پڑھی۔ تو اپنے میاں سے پڑھ لے گی۔ آج کل گاؤں کی زندگی لڑکے لڑکیوں پر دوبھر ہو رہی ہے۔ زمیندارے میں اب رکھا ہی کیا ہے؟ کاشت کے لئے تو مزارعہ تک نہیں ملتے۔ کسان اپنی کھیتیاں چھوڑ چھاڑ کر شہروں کے کارخانوں میں مزدوری کرنے لگے ہیں۔ ثروت کو خوشحال دیکھنا چاہتی ہو۔ تو ابّا کا کہنا مانو۔

عائشہ:۔ لیجیئے یک نہ شُد۔ دو شُد۔ بڑے میاں سو بڑے

میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ تو کون سا ایسا رشتہ ہے۔ جس پر باپ بیٹا ریجھ رہے ہو۔ میں بھی تو سُنوں ؟

بصیر :- غازی پور میں ایک دو کنوارے افسر موجود ہیں۔ دونو بڑے خوشحال ہیں۔ حکومت کرتے ہیں۔ کوشش کرنے سے دونوں میں سے ایک کے ہاں رشتہ ہو سکتا ہے۔

عائشہ :- نہ سوت نہ کپاس جلاہے سے لٹھم لٹھا۔ ان بڑے آدمیوں کا پیچھا مت کرو۔ اگر کوشش ہی کرنا ہے تو پھر موجود رشتوں کو چھوڑ کر پرائی جگہ ٹکریں مارنے سے حاصل ہی کیا ؟ میں تو آج کل میں انہیں دونو رشتوں میں سے کسی ایک کو پختہ کرونگی۔ بھائی صاحب کے ہاں سے تو پیغام بھی آچکا ہے۔

بصیر :- (ناراض ہوکر) کیسا پیغام ؟ میں ہرگز ایسے پیغام کو منظور نہیں کرونگا۔

عائشہ :- تم کر دیا نہ کرو۔ ہمیں تو منظور ہے نا !

بصیر :- واہ ! یہ کیسے ؟ گویا مرد کی گھر میں کوئی ہستی ہی نہیں۔

عائشہ :- (ہنسکر) تمہارے صاحبزادے بلند اقبال ہی تو کہہ رہے ہیں۔ کہ آج کل عورتیں مردوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ پھر ہم تمہاری بات کیوں مانیں ؟

بصیر :- (اُٹھ کر) تمہیں میری مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھانا ہوگا۔

عائشہ :۔ (مسکراتے ہوئے) شاید سفر کی تکان سے بھوک کا غلبہ ہو رہا ہے۔ اندر چل کر کھانا کھاؤ۔ آرام کرو۔ پھر اس معاملے پر غور کرینگے۔

جمیل :۔ ہاں ہاں اندر چلیئے۔ ابا جان۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

(جمیل اور بصیر جاتے ہیں)

عائشہ :۔ (جاتی ہوئی علیحدہ) مردوں کی عقل پر پردہ پڑگیا ہے۔ یہ ضدی عورت کی بات تھوڑا ہی مانا کرتے ہیں۔ (جاتی ہے)

پردہ گرتا ہے



پہلا ایکٹ۔ دوسرا سین

وقت دوپہر

[غازی پور میں مرزا مسعود۔ افسر انہار کے مکان کا ایک کمرہ۔ جو تہذیب حاضرہ کے ضروری سازوسامان سے آراستہ ہے مسعود ایک بلند قامت ۳۲ سالہ جوان ایک ٹانگ زمین پر دوسری کوچ پر دراز کئے سوٹ ڈٹائے لیٹا ہے۔ سٹیج کے دائیں طرف ایک گراموفون کھلا ہے۔ سامنے گول میز پر شراب کی صراحی اور دو تین گلاس رکھے ہیں۔ پاس ہی خاصدان پڑا ہے۔ سٹیج کے بائیں طرف پُر تکلف پیچوان ایک چھوٹی تپائی پر چلم کے بغیر رکھا ہے۔ پردہ اُٹھتے ہی ذاکر دائیں ہاتھ میں اخبار لئے اس پر نظر جمائے ہوئے ہے۔ دوسرے ہاتھ میں شراب کا گلاس پکڑے اسے پی رہا ہے۔ چہرہ مخمور ہے۔ مسعود صراحی ہاتھ میں لئے گلاس میں شراب ڈال رہا ہے۔ اور کچھ گنگنا رہا ہے۔ اسی حالت میں رمضانی سفید پگڑی سر پہ سفید چغہ اور کمر میں سرخ زری کا پٹکا لگائے اردلیوں کے لباس میں

چلم لئے آتا ہے۔ اور پیچواں پر رکھ کر چل دیتا ہے۔ ذاکر برجیس اور شکاری کوٹ معہ کالر ٹائی پہنے ہے۔ سر کے بال کچھ پریشان سے ہیں)

مسعود:۔ (شراب ڈال کر گاتے ہوئے) ؎

زاہد بڑا مزا ہو۔ جو یونہی عذاب ہو
دوزخ میں پاؤں... ہاتھ میں... جام شراب ہو

ذاکر:۔ (جو نسبتاً ہوش میں ہے۔ اخبار سے نظر اُٹھا کر مسعود کو دیکھتا اور مسکراتا ہے۔ پھر اخبار پر نظر جما لیتا ہے) کچھ سُنا تُم نے؟

مسعود:۔ (اسی دھن میں) ارے دوزخ میں پاؤں... ہاتھ میں... جام شراب ہو۔

ذاکر:۔ (مڑ کر مسعود کا بازو تھپتھپا کر) رنگیلے میاں! (قہقہہ لگا کر) آہا ہا... ہا... ہا... ہا کچھ سُنا بھی کر دیا یار! اخبار کے کالم پر انگلی رکھ کر) ذرا اسے پڑھو۔ ہوش ٹھکانے ہیں یا ابھی سے "ٹُن" ہو گئے؟

مسعود:۔ (اخبار پرے ہٹا کر) ارے یار ہمارے گانے کا مزا کرکرا مت کرو۔ سُنو کیا اچھا شعر ہے ؎

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

ذاکر:۔ اوہو حضرت تو بڑی ترنگ میں ہیں۔ میاں پڑھو گے تو لطف اٹھاؤ گے۔ پھر گاتے رہا کرنا۔

مسعود:۔ تمہیں سُنا دو نا۔ وہی شادی کا اشتہار ہوگا۔ جیسے روز اشتیاق سے پڑھ کر سُنایا کرتے ہو۔ لیکن خالی اشتہاروں سے کیا کسی کا پیٹ بھر سکتا ہے؟

ذاکر:۔ نہیں بالکل نئی بات ہے۔ اچھا تو سُنو۔ شادی کا اشتہار نہیں۔ بڑے ہی مزے کی چیز ہے۔ سُنو گے تو چٹخا رے لوگے۔

مسعود:۔ ارے یار اب پڑھکر سُناتے بھی ہو یا نہیں۔ کیا ہمارے شوق کو اور تیز کرنا چاہتے ہو؟

ذاکر:۔ اشتہار ہے۔" کیا تمہیں تنہائی ستا رہی ہے؟ آؤ ہم اس کا علاج کر دیں۔ دُنیا بھر کی لکھی پڑھی خاتونیں کوئی گریجوایٹ کوئی ڈاکٹر، کوئی اُستانی کوئی امیر اور جوان بیوہ، کوئی سیاح کوئی طالب علم۔ روحانی تعاون کی غرض سے، مردوں کے ساتھ خط وکتابت کیا چاہتی ہیں۔ اس سے محض معاشرتی ارتباط مقصود ہے۔ خط وکتابت صیغہ راز میں ہوگی فوٹو کا تبادلہ کیا جا سکتا ہے ذہنی تعاون میں عشق و محبت۔ رومانیت، سیر سیاحت، سبھی کچھ شامل ہیں۔ خط لکھتے وقت اپنا پتہ ایک لفافہ پر لکھ کر ساتھ بھیجیئے۔ لفافے

پر جوابی ٹکٹ چسپاں ہوں۔ ورنہ جواب کی توقع نہ رکھئے۔ مذہب
وملت کا کوئی امتیاز نہیں۔ پتہ حسب ذیل ہے۔
"احباب کلب پوسٹ بکس نمبر ۳۱۴ شمالی دہلی"۔ کیوں کیا
سمجھے؟

مسعود:۔ میاں بس لذت ہی لذت ہے۔ قسمت آزمائی کرو۔ کیا
عجب کہ حسب منشا رفیقہ ملجائے۔

ذاکر:۔ تم بھی اس تلاش میں شامل ہو جاؤ۔

مسعود:۔ ہم ضرور شامل ہونگے۔ لاؤ۔ قلم دوات کاغذ۔ ابھی
ایک چٹخارے دار خط لکھتے ہیں۔ ایک ایک کو سنبھالتے ہیں۔
اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ پہلے اپنا فوٹو تیار کراؤ۔

ذاکر:۔ آج ہی لکھیں گے۔ فوٹو تو موجود ہے۔ یہ اخبار حفاظت
سے رکھ لینا چاہیئے (اخبار تہ کر کے رکھ لیتا ہے)

مسعود:۔ مضمون تم گانٹھو۔ اس کی نقل میں کر دونگا۔

ذاکر:۔ شام کو سوتے ہیں کیوں نہ لکھیں؟

مسعود:۔ کلٹھیک ہے۔ مگر آج دوپہر کیسے بسر ہوگی؟ تم والے
کوئی گانے والے کا انتظام نہیں کیا گیا؟

ذاکر:۔ کل رمضانی سے کہا تو تھا۔ کہ آج محفلِ نشاط ہوگی۔ بھول
گیا ہوگا۔ کسے بلوائیں؟

مسعود:۔ میاں اسی پرکالۂ آتش، دشمن دین و ایمان عفو زن

جان کو بلاؤ۔ (ایک گلاس شراب کا اپنے لئے اور بھرتا ہے۔
دوسرا بھر کر مسعود کو دیتا ہے۔ دونو گلاس ٹکرا کر پیتے ہیں)
غفورن کا جامِ صحت! (پی کر) رمضانی! (رمضانی آتا ہے)

رمضانی:۔ حضور۔

مسعود:۔ ارے بھلے آدمی۔ کل ذاکر صاحب نے تجھ سے کہا
تھا۔ کہ غفورن کا طائفہ آج دوپہر کو یہاں آجائے۔ کیا تو نے
انتظام کیا؟

رمضانی:۔ (ذاکر کی طرف اشارہ کر کے) آپ نے فرمایا تھا۔ اور
میں اُسی وقت اُن کے ہاں گیا۔ مگر شہر کی سبھی طوائفیں
ابین آباد کسی شادی پر گئی ہوئی ہیں۔

مسعود:۔ ارے رے مار ڈالا۔ ظالم، مار ڈالا۔

ذاکر:۔ سبھی کیوں چلی گئی ہونگی؟

رمضانی:۔ سیٹھ نواری لال کے ہاں بڑے دھوم دھام کی شادی
ہے۔ اس لئے اچھی گانے والیاں سبھی بلوالی گئیں۔

ذاکر:۔ ہات تیرے سیٹھ کی ایسی تیسی۔ کسی گویئے کو بلوائیں؟

مسعود:۔ بس حضرت معاف کیجئے۔ ہم گویوں کی ریں ریں سننے
کی تاب نہیں رکھتے۔ کجا وہ لطیف ناز و انداز کے ساتھ گانا اور
ناچنا۔ کجا میاں گوئیے کا بھونڈی حرکات کے ساتھ بھیڑیئے کی
طرح مُنہ پھاڑنا۔ اچھا ذرا کرشن چندر صاحب اور رجب علی کے

ہاں موٹر لے کر چلے جاؤ۔ ان سے کہنا آج دوپہر یہیں بسر کریں۔ ذرا برج اُڑائینگے۔ اور لوٹتے ہوئے ڈِلشا کے ہاں سے ایک درجن بیر اور آدھی درجن وسکی کی بوتلیں ہمارے حساب میں لیتے آنا۔

رمضانی :- بہت بہتر۔ رقعہ لکھ دیجیئے (مسعود رقعہ لکھ دیتا ہے رمضانی لے کر جاتا ہے)

ذاکر :- کیوں مسعود اگر ان اشتہاری دِلّی والیوں میں سے کوئی تمہارے ہاتھ آجائے تو کیا انعام دلواؤ گے؟

مسعود :- اور جو تمہارے ہاتھ آجائے تو۔ تم کیا دو گے؟

ذاکر :- نقد جان حاضر ہے (ہاتھ سینے پر رکھ کر اُٹھتا اور سر جھکا کر بیٹھ جاتا ہے)

گرجان طلبی مضائقہ نیست
گر زر طلبی سخن درین است

اچھا تو ذرا خالی بیٹھے بیٹھے خط کا مضمون ہی سوچیں۔ القاب کیونکر لکھا جائے؟

مسعود :- مس سیمیں بدن۔ شیریں سخن۔ غنچہ دہن۔ جانِ من تسلیم و نیاز۔

ذاکر :- یہ القاب ہے یا شیطان کی آنت۔ ہم تو انگریزی کو اپنا آلۂ کار بنائینگے۔

مسعود :- نہیں بھائی - وہاں تو ہر ملک کے نمونے موجود ہیں -
ہم تو اپنے دیس ہی کا نمونہ انتخاب کرینگے - اور یہی اپنی دیسی
زبان میں لکھیں گے -

ذاکر :- (ایک جام چڑھاکر) پاگل ہوگئے ہو کیا ؟ - آج کل اشراف
کی زبان انگریزی ہے - تمہاری اردو وُردو گھٹیا چیزیں
ہیں -

مسعود :- اچھا تو تم کیا القاب لکھوگے ؟

ذاکر :- میں لکھونگا (سوچکر) Sweet creature
of my dreams (میرے شیریں تصوّر)

مسعود :- کوئی اور -

ذاکر :- اور لو - (Best and Brightest) بہترین اور
نہایت چمکیلی خاتون)

مسعود :- واہ وا اچھا شیلے کی روح تڑپ اٹھے گی - دوسرا القاب
خوب رہے گا - مگر ہم تو اردو ہی میں لکھیں گے -

ذاکر :- اچھا تو القاب کے بعد اپنا ابتدائی مضمون بیان کرو -

مسعود :- احوال آنکہ ---

ذاکر :- (بات کاٹکر) واہ یہ کیا دقیانوسی طریقہ ہے - وہی پرانی
طرز جو صدیوں سے چلی آتی ہے - "واضح ہو کہ" "احوال آنکہ"

مسعود :- ذرا سنو تو سہی " احوال آنکہ اخبار سنڈے گزٹ مورخہ

فُلاں ہیں آپ کا پیارا اشتہار وربارۂ مردوں کے ساتھ ذہنی تعاون ـــــ

ذاکر:۔ (بات کاٹ کر) عبارت میں چنداں پھبن پیدا نہیں ہوئی۔ "دربارہ مردوں کے ساتھ ذہنی تعاون"۔ یہ کیا بھدی بندش ہے!

مسعود:۔ میاں پہلے تُم سارا مضمون سُن لو۔ پھر حرف گیری کرنا۔ میں کہاں پہنچا تھا؟ ہاں "مردوں کے ساتھ ذہنی تعاون"۔

ذاکر:۔ ذہنی تعاون بجائے خُود ایک بھونڈی ترکیب ہے۔ اگر روحانی تعاون کہا جائے تو بھی ایک بات ہے۔

مسعود:۔ اچھا تو "روحانی تعاون ـــــ اس خاکسار کی نظر سے گزرا۔ راقم ناچیز ایک عرصہ دراز سے دُنیا میں بے یار ومددگار کشاں کشاں تنہائی کے دن بسر کر رہا ہے"۔ یہاں چچا غالب کا شعر بہت ہی موزوں رہیگا ؎

یہ بھی ناچارجی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

پھر کیف زندگی کیا ہے؟ اچھا خاصا خلجان" یہاں حضرتِ اقبال کو لاؤں؟ واہ کیا اچھا شعر ہے ؎

زندگی نام رکھ دیا کس نے
موت کا انتظار ہے دُنیا

غرض یوں دن کٹتے ہیں۔ اُف! دم گھٹا جاتا ہے۔ کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ آپ کا اشتہار گویا پیاسے کے لئے آبِ حیات، بھوکے کے لئے طعام سے کم نہیں۔ مجھ ہیچ میرز کا ناچیز فوٹو لفِ ہذا ہے۔ دستِ شوق بڑھ کر آپ کی بلائیں لینے کو تیار ہے۔ دیدہ و دل فرشِ راہ ہونے کے متمنی ہیں۔ ملاقات ہو جائے تو جنّت کا نقشہ نظر آئے۔ فرمائیے اور جلد کہ آپ کون ہیں۔ کہاں رہتی ہیں۔ کیا شغل ہے۔ کیا ملاقات کا امکان ہے؟ بندہ محکمہ انہار میں ڈپٹی کلکٹر ہے۔ اپنی شبیہ مبارک بھیجکر دل کو شاد کیجئے"۔ خط کو ان اشعار میں ختم کرنا چاہیئے۔

جو ہو مجھ سے پیار تم کو | میری عمر یوں بسر ہو
کروں عرقِ بحرِ نسیاں | غمِ دہر و فکر ساماں
انہیں قدموں میں پڑا ہوں | تمہیں مسکراتے دیکھوں

راقم مرزا مسعود علی بیگ

ذاکر:۔ واہ حضرت! بڑی دُور کی کوڑی لائے۔ بات بات پر انکسار اور فریقِ ثانی کو بامِ فلک پر چڑھانے کی روش تو پُرانی ہو چکی ہے۔ وہاں تو سرتاسر ہر بات مغرب کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہوگی۔ مِس سیمیں بدن، غنچہ دہن، یہ تو وہ مقفیٰ عبارت۔ کون اسے سمجھے گا؟ اور پھر اپنا عہدہ وغیرہ بتلانے کی کیا ضرورت ہے؟

مسعود:- یہ پُرانی روش نہیں ۔ اہلِ مغرب تو اس سے بھی بڑھا چڑھا کر فرقۂ اناث کی مدارات کرتے ہیں ۔ تمہیں معلوم ہی نہیں ۔ اب تک
تم آدابِ نسواں سے بے بہرہ ہی رہے ؛

ذاکر:- واہ، ہم اور آداب سے بے بہرہ؟ چہ خوش خیر ۔ لیکن آج کل بیسویں صدی ہے ۔ لمبی چوڑی تمہیدوں میں وقت ضائع نہیں کیا
کرتے ۔ بلکہ فقط یوں لکھتے ہیں :۔

"جانِ من ۔ سنڈے گزٹ مؤرخہ فلاں میں آپ کا اشتہار ہماری نظر سے گزرا ۔ بندہ آپ سے خط و کتابت کے ذریعے روحانی یگانگت پیدا کرنا چاہتا ہے ۔ فوٹو لف ہذا ہے ۔ اپنا فوٹو ارسال فرمایئے ۔
پتہ حسب ذیل ہے ۔

آپ کا مخلص ۔ ایم ۔ ذاکر ۔ کوچہ دلی ۔ غازی پور

مسعود:- یہ دو حرفی مضمون ہمیں تو پسند نہیں ۔ ہونا یہ چاہئیے ۔ کہ
— (رمضانی آتا ہے)

رمضانی:- حضور دو تو اصحاب کل شام سے شکار کے لئے مریکی کی جھیل پر گئے ہوئے ہیں ۔ آج شام تک لوٹیں گے ۔

مسعود:- کمبخت کہیں کے ان کا ستیاناس ۔ یہ تنہا خوری کب سے سیکھے ہیں ؟ بھلے آدمی ہمیں بھی ساتھ ہی لے چلتے ۔

ذاکر:- اور رمضانی تیرا بھی ستیاناس ۔ نہ طائفہ لایا ۔ نہ ہمارے دوستوں کو بُلا کر لایا ۔

رمضانی :- حضور بوتلیں تو لے آیا ہوں -
مسعود :- بوتلیں کس کام کی ؟ جب آدمی ہی موجود نہیں - کاہے کو لانی تھیں پھر ؟
رمضانی :- حضور کا حکم تھا - تعمیل کرنا میرا فرض ہے -
ذاکر :- ہم کیا آدمی نہیں ؟ لے آ ڈمیاں اندر !
مسعود :- تمہیں آدمی کون کہتا ہے - آدھی رکھ لو - باقی لوٹا دینا -
رمضانی :- بہت بہتر (جاتا ہوا لوٹ کر) ہاں تو حضور - اشرف صاحب باہر ملاقات کے لئے تشریف لائے ہوئے ہیں -
مسعود :- بلا لا انہیں اندر (رمضانی جاتا ہے) اشرف کس کام کا ہے ؟ ہمارے کسی شغل میں شریک تو ہوتا ہی نہیں -
(اشرف سنجیدگی اور خوش طبعی کا مجموعہ - مسعود کا ہم عمر - ای اے سی فل سوٹ میں آتا ہے - رمضانی پیچھے ہے)
اشرف :- (مسکراتے ہوئے) آداب و نیاز (ہیٹ اتار کر رمضانی کو دیتا ہے - رمضانی ہیٹ اور چھڑی لے لیتا ہے)
مسعود :- ہیلو اشرف (ہاتھ ملا کر) مزاج عالی !
ذاکر :- تسلیمات عرض جناب ڈپٹی صاحب (ہاتھ ملا کر) بھئی خوب آئے - یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے مکھیاں مار رہے تھے - کہئے مزاج کیسے ہیں ؟
اشرف :- نوازش - آپ تو خیریت سے ہیں ؟ (شراب کو دیکھ

کر ذرا ٹھٹک جاتا ہے)

ذاکر:۔ شکریہ۔ تشریف لائیے۔ (اشرف ذرا جھجک کر کھڑا رہتا ہے)

مسعود:۔ کیوں جھجک کیوں گئے؟ میاں وحشت زدہ ہے۔ زہر تو نہیں (اشرف بیٹھ جاتا ہے)

اشرف:۔ نہیں جھجک کوئی نہیں۔

مسعود:۔ (شراب ڈال کر) لیجئے ایک جام نوش فرمایئے۔

اشرف:۔ شکریہ۔ مگر آپ کو معلوم ہے۔ کہ میں تو نہیں پیا کرتا۔

مسعود:۔ میاں یہ تو ہم جانتے ہیں۔ کہ تم زاہدِ خشک ہو۔ مگر ایک جام تو نوش کر لو! ع

کیا ایک چلّو پانی میں ایمان بہ گیا؟

ذاکر:۔ واہ صاحب واہ! ولایت سے بھی ہو آئے اور پینا نہ سیکھا

اشرف:۔ واقعی بڑا بد قسمت ہوں۔

مسعود:۔ تو اب صاحبِ قسمت بن جاؤ نا۔ دیر کیا لگتی ہے؟

اشرف:۔ مجھے اس سے محروم ہی رہنے دیجئے۔ ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

مسعود:۔ تو کیا پیوگے؟ بیئر یا وسکی۔

اشرف:۔ خالی سوڈے کا ایک گلاس۔ اور آپ کے ساتھ سگرٹ پینے میں شریک ہو جاونگا۔

ذاکر :- کچھ بدہضمی کی شکایت ہے کیا ؟

مسعود :- مذاق مت کرو بھئی (سوڈا ڈال کر) کہو تو اس میں ذرا سی وِسکی انڈیل دوں (ذاکر کو آنکھ مارتا ہے)

اشرف :- (گلاس لے کر) جی نہیں۔ شکریہ (سوڈا پیتا ہے۔ ذاکر اور مسعود دیکھ کر ہنستے ہیں)

مسعود :- (بوتل اٹھا کر اپنے گلاس میں ڈالتا ہے) ؎

زاہد نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

اچھا تو کوئی بازی رہے۔ پکڑنا تاش ذاکر۔ یہ پیتے نہیں تو کھیلیں گے تو سہی۔

اشرف :- میاں تم جانتے ہو۔ کہ مجھے تاش کھیلنا نہیں آتا۔ البتہ تم دونوں بازی لگاؤ۔ میں دیکھتا رہونگا۔

ذاکر :- ہم دو تو کیا خاک کھیلیں گے ؟ (تاش بڑھا کر) ذرا پتے ترلشئے۔ سیکھ ہی لو۔ کام آئیگا۔

اشرف :- مجھے تاش کی شکل دیکھتے ہی گھن آتی ہے۔

مسعود :- لاحول ولاقوۃ۔ بھئی آج تو تعطیل کا دن بے لطفی سے کٹے گا۔ رمضانی! ذرا اوما کا کوئی ریکارڈ ہی لگا۔ (رمضانی آکر ریکارڈ لگاتا ہے۔ اشرف جھومتا ہے۔ ذاکر ہاتھ سے تال دیتا ہے۔ ریکارڈ ختم ہوتا ہے) کیا خوب گاتی ہے۔ ظالم!

(گانے کی نقل کرتے ہوئے "بسنت رِتو آئی آلی"

ذاکر:- لو بھئی اب ایں جانب چلدیئے۔ ذرا باہر کی ہوا کھائینگے۔

اشرف:- کیا ہمارے ہی آنے پر؟ آب آمد و تیمم بر خاست۔

مسعود:- بیٹھو بھئی ذاکر۔ مذاکر کرا ئیوں کرتے ہو؟ کوئی اور ریکارڈ سُنو۔

ذاکر:- (اُٹھ کر) خالی ریکارڈ سُن کر کیا پیٹ بھرے گا۔ ریکارڈ والی سُنائے تو بات بھی ہے۔

مسعود:- اچھا تو خُدا حافظ۔ شام کو ضرور آنا۔ خطوط نویسی کا کام کرنا ضروری ہے۔

ذاکر:- ہاں ہاں ضرور۔ ۸ بجے آؤنگا (جاتا ہے)

مسعود:- رمضانی! ایک حقہ اور بھر لا (رمضانی چلم لے جاتا ہے) مرد آدمی۔ کہاں غائب رہتے ہو؟ تُم تو عید کا چاند ہی ہو گئے۔ کبھی شکل ہی نہیں دکھاتے۔

اشرف:- بھئی کیا بتاؤں؟ عدالت کے جھمیلے دم ہی نہیں لینے دیتے۔ آج کل مقدموں کی بھرمار ہے۔ صبح سے شام تک دفتر کی چکی پیسنی پڑتی ہے۔ تمہاری طرح بے فکرے تھوڑا ہی ہیں؟

مسعود:- تو کس نے کہا ہے کہ مزدور بنے رہو؟ فکر میں جان کھونا اور بے فکری سے رہنا اپنے بس کی بات ہے۔ تمہاری تو وہی مثل ہے۔ کہ غم نداری بُز بخر۔

اشرف :- یہ اپنی اپنی طبیعت ہے۔ فرائض اور ذمہ داریاں ایسی چیزیں نہیں۔ کہ ان کے بوجھ سے انسان یوں سبکدوش ہو سکے۔ تم اس بوجھ کو کم محسوس کرتے ہو۔ خیر اس بے لطف ذکر کو چھوڑو۔ کہو آج کل کیا حال احوال ہے۔ کس رنگ میں ہو؟

مسعود :- اشرف! میں نہایت بدمزگی کے رنگ میں ہوں۔ اس رنگ کو بدرنگی کہا جائے۔ تو بجا ہوگا۔

اشرف :- (ہنس کر) بھئی واہ! ہم تو دیکھ رہے ہیں۔ کہ تم عالم رنگ و بو میں بسے ہوئے ہو۔ پھر اسے بدرنگی کیوں کہہ رہے ہو؟

مسعود :- بے لطفی کے دن جوں توں بسر ہو رہے ہیں۔ تنہا آدمی کس کام کا؟

اشرف :- کیوں۔ ولایت یاد آ رہی ہے کیا؟

مسعود :- جب تک انسان کا کوئی شریکِ زندگی نہ ہو۔ جینا بے لطف ہے ہر چند کہ حالی نے پیرانِ زندہ دل کے متعلق کہا ہے۔ ؎

دل ان کے ہیں ظرف ان کے ہیں جو کرتے ہیں ٹھٹھر
ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

اور زندگی ہے بھی زندہ دلی کا نام۔ لیکن آخر تابکے؟ اکیلا انسان کہاں تک ڈھیٹ بن کر خوش طبعی اختیار کر سکتا ہے۔ ہنسنا، چھکنا پینا پلانا، گانا بجانا، کھیل کود، سیر و تفریح یہ سبھی سامانِ نشاط بیکار چیزیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی زندگی کسی رفیقۂ حیات

کے بغیر ایک روکھا پھیکا طعام ہے۔

اشرف :۔ یہ کیا کہہ رہے ہو مسعود؟ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تمہاری رفیقۂ حیات تو موجود ہیں۔ پھر انہیں اپنے سے علیحدہ کیوں رکھتے ہو؟ اور تنہا کیوں رہتے ہو؟ مَیں تو تُم سے بارہا کہہ چُکا ہُوں۔ کہ بھابھی جان کو بلوا لو۔ مگر تُم ہو کہ سُنتے ہی نہیں۔

مسعود :۔ واہ کیا کہتے ہیں؟ ع

پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ گر سمجھے تُو کیا سمجھے

تمہیں معلوم بھی ہے۔ کہ انسان کی رفیقۂ حیات کہتے کسے ہیں؟ مَیں "بیوی" کا عامیانہ لفظ اپنے بارے میں استعمال کرنا نہیں چاہتا۔ عرفِ عام میں جسے کہتے ہیں بیوی وُہ گھر کی رانی، گھر والی اور بچوں کی رکھوالی کہلاتی ہے۔ اگر اسے بہت زیادہ معزز بنانا چاہو۔ تو یوں کہو کہ وُہ شوہر کی ہمدرد اور غمگسار ہے۔ اگر رفیقۂ حیات کے یہ معنی سمجھتے ہو۔ تو مَیں کہونگا۔ کہ ہاں میں ایک بیوی رکھتا ہوں۔ یا بقولِ پطرس "مَیں ایک میاں ہوں" لیکن مجھے غم گسار بیوی نہیں چاہیئے۔ مجھے چاہیئے دلدار بیوی۔ سُنتے ہو اشرف! مجھے چاہیئے صحیح معنوں میں "بہتر نصف" جو صرف اپنی موجودگی ہی سے میری روح کو زندگی کا ایک سُریلا ساز بنا دے۔ جو میرے خیالات کی گہرائیوں تک پہنچ کر میری ہستی کو ایک مجسّم رقص میں منتقل کر دے۔

اشرف :- (ہنس کر) تو کیا تمہیں کوئی گانے بجانے اور ناچنے والی بیوی درکار ہے ؟

مسعود :- معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہارے سامنے اپنے خیالات کو ظاہر کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ اس لئے مجھے خاموشی اختیار کر لینی چاہئے۔

اشرف :- (قہقہہ لگا کر) شاعر نے خوب کہا ہے۔ کہ ع

پیرے کہ دم زعشق زند بس غنیمت است

معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت کے سر میں نئے سرے سے جنون پیدا ہوا ہے۔ باسی کڑھی میں اُبال آیا ہے۔ دوست کچھ کہو تو سہی۔ آخر کدھر کی تاک لگائی ہے ؟

مسعود :- تمہیں بات کو سمجھنے کی مطلق تمیز نہیں۔

اشرف :- مسعود! تم ناراض ہو گئے۔ میں تمہاری گفتگو کو بخوبی سمجھتا ہوں۔ یہ محض تم سے دل لگی تھی۔

مسعود :- دل لگی کا موقع اور محل ؟

اشرف :- (سنجیدگی سے) کوئی نہیں۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں نے تمہارے مدعا کو بخوبی سمجھ لیا۔ حاصل کلام یہ ہے۔ کہ آپ خیر سے اعلیٰ تعلیم پا کر اپنی پہلی بیوی سے ناخوش ہیں۔ اور ایک ایسی بیوی کے متلاشی ہیں۔ جو آپ کو رومانیت کی جھلک دکھائے۔ جو عام بیویوں کی طرح خانہ داری کی قید سے آزاد ہو۔ اور آپ کے

ساتھ رہ کر زندگی میں ایسی فضا پیدا کرے۔ کہ آپ ہمیشہ عرشِ معلیٰ پر اُڑتے رہا کریں۔ اور کبھی دُنیا کی بے لطفیوں سے دوچار نہ ہونے پائیں۔ بقولِ شاعر ؎

میری زیست کا ترانہ ہو سرودِ دلبرانہ
میری زیست ہو محبت۔ کرمِ مغانِ الفت

مگر مشفق! اگر مَیں غلطی نہیں کرتا۔ تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ رومانیت محض ایک سراب ہے۔ چھلاوہ ہے۔ عورت خواہ کتنی ہی حسین، شائستہ، تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو۔ گھر کی فضا میں، بیوی کی حیثیت سے، آخر اسے خانہ داری کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا ہی پڑیگا۔ اور اس حیثیت میں رہ کر پھر وُہ بیوی کی بیوی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ دورِ حاضرہ کی تعلیم و تہذیب نے جہاں اور کئی باتوں میں انسان کو بے چین اور غیر مطمئن کر رکھا ہے۔ وہاں انسان کی خانگی زندگی پر اس کی زد یہ آپڑی ہے۔ کہ موجودہ دور کا مہذب انسان ہر وقت ایک بے چینی کی حالت میں رومانیت کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتا۔ کہ اس کی خانگی زندگی جو ذمہ داریوں سے بھرپور ہے۔ خُدا کی ایک متبرک امانت ہے۔ جس کا بوجھ میاں اور بیوی دونو کے سر پر یکساں رکھا گیا ہے۔ اگر اس بوجھ کو ایک فرض سمجھ کر مرد اور عورت مل کر اُٹھائیں۔ تو ان کی زندگی مسرت اور شانتی سے بسر ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر

دونو اپنے اپنے ہوائی قلعے بناتے رہیں۔ اور دل خوش کن خواب دیکھتے رہیں۔ تو نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ دو تو غیر مطمئن رہینگے۔ اور اسی عدم اطمینان کا نام ہے۔ ناخوشی۔

مسعود :۔ لاحول ولا قوۃ۔ کیا تم یہاں ہمیں اپنے لیکچر کا جام پلانے آئے ہو یا ایک دوست کی حیثیت سے غم غلط کرنے کے لئے؟

اشرف :۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ درست ہے۔ شادی شدہ زندگی میں عشق و محبت کی توقع رکھنا بیکار ہے۔ تم تو چاہتے ہو دلدار بیوی۔ مگر میرے نزدیک کامیاب شادی وہ ہے جس میں بیوی اپنے میاں کے ساتھ عشق کا اقدام ہرگز نہ کرے۔ اور نہ اس کے ساتھ حد سے زیادہ محبت کرے۔ بلکہ حلم اور انکساری کو شعار کرتے ہوئے خاوند کی خواہشات اور مرضی کے آگے مؤدبانہ سر تسلیم خم کرے۔ مرد کو بیشک اپنی بیوی کے ساتھ محبت کرنی چاہیئے۔ وہ اس کی عزت کا لحاظ رکھے۔ لیکن عورت کا فرض فقط اتنا ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے شوہر کی محبت کو قبول کرتی رہے۔ اور اس کے عوض فرمانبرداری کرے۔ اور بس۔ اگر بیوی کے دل میں محبت کا خون جوش مارے بھی تو اس کی رو اپنے بچوں کی طرف منتقل ہو جانی چاہیئے۔ نہ کہ خاوند کی طرف۔ خانہ داری کی زندگی میں اطمینان قلب اور خوشی حاصل کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ کیونکہ شانتی کے بغیر سچی خوشی کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

مسعود :۔ ؎

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا۔ کوئی غمگسار ہوتا

اشرف :۔ مجھے معاف فرمائیے ۔ میں "ناصح مشفق" ہرگز نہیں بننا چاہتا۔ بلکہ میں نے بحیثیت دوست کے خیر خواہی کی غرض سے یہ الفاظ کہے۔ اب آپ ہی فرمائیے ۔ کہ میں آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔ اور کیا خدمت کر سکتا ہوں ؟

مسعود :۔ تم نے وعظ و نصیحت کی ایک بوچھاڑ شروع کر دی

اشرف ! اب میں کیا کہوں کیا نہ کہوں ؟

اشرف :۔ نہیں دوست کہو اور ضرور کہو۔ اگر تم نہیں کہتے ۔ تو چلو میں تمہارے مُنہ سے تمہاری بات چھینے لیتا ہوں ۔ اس لئے کہ دوست کی حیثیت سے مجھے یہ حق حاصل ہے ۔ تمام گفتگو کا لب لباب یہ ہے ۔ کہ آپ ایک دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں ۔ کیوں درست ہے نا !

مسعود :۔ (مسکرا کر) بالکل درست ۔ مگر شادی کی پابندیوں سے آزاد رہنا چاہتا ہوں ۔

اشرف :۔ چہ خوش ۔ تو کیا پہلی بیوی کی موجودگی میں ؟ اگرچہ تم نے اُسے گھر سے نکال کر میکے بھیج رکھا ہے ۔ لیکن کیا میں دریافت کر سکتا ہوں ۔ کہ اس میں کیا نقص ہے ؟ اس کا کیا قصور ہے ؟

مسعود :- (ناک بھوں چڑھاکر) وُہ جاہل ہے۔ ان پڑھ ہے۔ بے شعور ہے۔ میرے خیالات سے ناآشنا ہے۔ اور نہ مجھے سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ وُہ محض کھانا پکانے، سینے پرونے اور کپڑے دھونے کی ایک مشین ہے۔

اشرف :- کیا کہہ رہے ہو مسعود؟ تو کیا تمہیں ایسی بیوی درکار ہے۔ جو تمہاری خدمت مطلق نہ کرے۔ اور تم پر حکمرانی کرے؟ ٹھیک ہے۔ آج کل جُوتے خور میاں بننے کا بھی فیشن ہے۔

مسعود :- میں نے جو کچھ کہا۔ اس کا حرف حرف درست ہے۔ لیکن تم جو کچھ کہہ رہے ہو وُہ محض لغویات ہے۔

اشرف :- اچھا آپ کا ارشاد بجا اور ہمارا کہا لغو۔ لیکن کچھ یاد بھی ہے۔ کہ اسی بیگم نے تمہیں کالج کے زمانہ میں روپیہ دے کر، بلکہ محنت مزدوری کرکے تمہارے اخراجات کے بوجھ کو ہلکا کیا تھا۔ وُہ دن بھُول گئے کیا؟ انصاف کا تقاضا ہے۔ کہ تم اس غیرت مند خاتون پر نکاح ثانی کرکے ظلم نہ کرو۔

مسعود :- اگر اس نے مجھے خرچ بھیجا۔ تو کیا ہُوا۔ لیکن اگر میری طبیعت سے وُہ اب تک ناآشنا ہے۔ بلند خیالات سے بے بہرہ ہے۔ دماغی قابلیت نہیں رکھتی۔ تو کیا اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ مَیں اس پتھر کو ہمیشہ کے لئے گلے سے لٹکائے رکھوں؟ ہرگز نہیں۔ انسان اس معاملہ میں پورا آزاد ہونا

چاہئے۔ اور اسے اپنی زندگی کی صحیح رفیقہ کو نئے سرے سے تلاش
کرنا چاہئے۔

اشرف :- تم راحت کی قدر نہ کرتے ہوئے عیش و مسرت کے متلاشی
ہو رہے ہو۔ لیکن چونکہ میری گفتگو تمہیں ناگوار گزر رہی ہے ۔
اس لئے دوست کی حیثیت سے میں سوائے اس کے اور کیا
کہہ سکتا ہوں ۔ کہ خدا تمہارا ارادہ مبارک کرے۔

مسعود :- تو کیا تم دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے میری مدد کرو گے اور
مجھے کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کر دو گے؟

اشرف :- چہ خوش! میاں کچھ عقل کے ناخن لو۔ میں کسی شادی
کمپنی کا ایجنٹ تو ہوں نہیں۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔
اس معاملے میں پھر بات چیت کرینگے۔

مسعود :- ذرا بیٹھو ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ اوہو! بھئی معاف کرنا۔
بات چیت کی سرگرمی میں تمہیں پان ہی پیش نہ کر سکا (خاصدان
بڑھا کر پان دیتا ہے)

اشرف :- تسلیم (پان اُٹھا کر) ؎

ہر گلوری پہ چھیڑ ہے ان کی
ہم یہ رخصت کا پان لیتے ہیں

(پان مُنہ میں ڈالتے ہوئے) لو بھئی۔ اب چلد یئے۔ ذرا
بچوں کی خبر لیں۔ تم ٹھہرے بے فکر آدمی ایک چھوڑ

دو دو شادیوں پر تلے ہوئے - اور یہاں اللہ آمین کی ایک
بیوی بھی دستِ اجل نے چھین لی -
مسعود :- اچھا تو خدا حافظ - (اشرف جاتا ہے) رمضانی !
رمضانی :- (داخل ہو کر) حضور !
مسعود :- ادھر تو آ- (رمضانی سامنے آتا ہے) پرسوں تُو نے
رسول پور کے کسی چودھری کے ہاں ایک رشتے کا ذکر کیا تھا-
رمضانی :- جی ہاں حضور! چودھری بصیر علی خاں گاؤں کے بہت
بڑے زمیندار ہیں - ان کی ایک ہی لڑکی ہے -
مسعود :- تجھے کیسے معلوم ہوا ؟
رمضانی :- مَیں نے ایک آدمی کی زبانی یہ خبر سنی تھی - کہ بصیر خاں
اپنی لڑکی کو شہر کے کسی بڑے آدمی کے ہاں بیاہنا چاہتا ہے-
مگر لڑکی کی ماں اس قسم کے رشتے کے خلاف ہے -
مسعود :- لڑکی کیسی ہے ؟ کچھ پڑھی لکھی بھی ہے ؟ خوبصورت ہے
کیا ؟
رمضانی :- حضور ! لڑکی مَیں نے آنکھوں سے تو دیکھی نہیں -
لیکن شُنید ہے - کہ وہ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے-
اسکولی تعلیم تو شاید اسے حاصل نہیں ہوئی - مگر ویسے خواندہ
ہے - گھر پر اردو فارسی پڑھ چکی ہے - ماں باپ کی لاڈلی ہے-
عین جوانی کے عالم میں ہے -

مسعود :- ہاں ؟

رمضانی :- جی ہاں اگر حضور کا ارادہ ہو - تو میں رشتے کے لئے کوشش کروں ۔ حضور ایسا گھرانہ ذرا مشکل ہی ملتا ہے ۔ شادی کی ٹھہر جائے تو جہیز بہت سا ملیگا ۔ آپ ذرا اشارہ کیجئے ۔ تو بصیر خاں کو راضی کر لینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے ۔

مسعود :- ہاں رمضانی کوشش کرو ۔ اور ضرور کرو دیکھنا فریب جا کر ہماری پہلی شادی کا حال ظاہر نہ ہونے پائے ۔

رمضانی :- اجی نہیں ۔ بھلا میں احمق ہوں کیا ؟ البتہ ــــ

مسعود :- (بات کاٹ کر) البتہ کیا ؟

رمضانی :- کام ذرا محنت چاہتا ہے ۔ اس لئے ــــ

مسعود :- (بات کاٹ کر) ہاں ہاں ۔ کہہ تو سہی ۔ کھل کر بات کر ۔

رمضانی :- میرے معاوضے کا خیال رہے ۔ ایسے کام کے لئے تین سو روپیہ کچھ زیادہ نہیں ۔

مسعود :- (ہنس کر) ارے باولے اس کا فکر مت کر ۔ تجھے نہال کر دونگا ۔

رمضانی :- کیا اچھا ہو ۔ کہ آپ رسول پور کی طرف دورے کی ٹھہرائیں ۔ آپ نہر کے سرکاری بنگلے میں ٹھہر جائیے گا ۔ اور میں بصیر خاں سے ملنے چلا جاؤنگا ۔ یا اگر نہیں تو میں آج ہی اکیلا ادھر چلا جاتا ہوں ۔

مسعود :- نہیں کل صبح ہم ادھر ہی دور سے پر چل کھڑے ہونگے۔

رمضانی :- بہتر (جاتا ہے)

(مسعود آیندہ کے خوشگوار تصور میں مست ہے۔ اور
گنگناتا ہوا اُٹھتا ہے۔ "جو ہو مجھ سے پیار تم کو ..... الخ

(پردہ گرتا ہے)

پہلا ایکٹ۔ تیسرا سین

(رسول پور میں بصیر خاں کے مکان کا کمرہ جو پہلے سین میں تھا۔ بصیر خاں چارپائی پر بیٹھا ہوا دودھ پی رہا ہے۔ حقہ پاس رکھا ہے۔ قمرن ایک دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے کھڑی ہے۔ بصیر خالی گلاس اس کے حوالے کرتا ہے)۔

قمرن :- اور دودھ ڈالوں میاں ؟

بصیر :- بس قمرن اور ضرورت نہیں۔ ذرا ایک چلم بھر لاؤ۔ حقہ بھی اٹھائے جاؤ۔ اسے تازہ کر لانا (دروازے پر دستک) دیکھنا تو باہر کون ہے ؟

قمرن :- (حقہ اٹھا کر) ابھی دیکھتی ہوں (جاتی ہے۔ بصیر خاں چارپائی پر دراز ہو جاتے ہیں۔ اور گاؤ تکیہ پر کہنی رکھ لیتے ہیں۔ قمرن چلم ہاتھ میں لئے لوٹ کر آتی ہے) کوئی صاحب میاں رمضان خاں غازی پور سے آپ کو ملنے آئے ہیں۔

بصیر:۔ رمضان خاں؟ غازی پور سے؟ میں تو اس سے واقف نہیں۔ خیر بلالو (قمرن جاتی ہے۔ رمضانی اردلی کا لباس ڈٹائے موچھوں پر تاؤ دیئے آتا ہے)

رمضانی:۔ السّلام وعلیکم جناب چودھری صاحب۔

بصیر:۔ وعلیکم السّلام (چارپائی سے اُٹھ کر مصافحہ کرنے کو ہاتھ بڑھاتا ہے) آپ کی تعریف؟ کہئے کیسے آنا ہوُا؟ تشریف رکھئے (رمضانی مونڈھے پر بیٹھ جاتا ہے)

رمضانی:۔ خاکسار کا نام رمضان خاں ہے۔ غازی پور کے ڈپٹی کلکٹر مرزا مسعود بیگ کا اردلی ہوں۔ وُہ آج اسی علاقے میں دورے پر آئے ہوئے ہیں۔ صاحب تو نہر کے پار بنگلہ میں ٹھہر گئے۔ اور میں آپ سے ملاقات کرنے چلے آیا۔

بصیر:۔ آیئے۔ تشریف رکھئے (بیٹھتے ہیں) فرمائیے کیا کام ہے؟ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمایئے۔ کیا مرزا صاحب کے لئے کسی سامانِ رسد کی ضرورت ہے؟ (قمرن خاصدان اور حقّہ لاکر رکھتی ہے) حقّہ پیجئے۔

رمضانی:۔ نہیں چودھری صاحب۔ شکریہ۔ آپ شوق کیجئے میں حقّہ نہیں پیا کرتا۔ ہمارے صاحب بہت نیک افسر ہیں۔ وُہ گاؤں والوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دیتے۔ اپنا سب سامان ساتھ لے کر چلتے ہیں۔

بصیر :- یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔ ہم نے تو آج تک کسی افسر کو ایسا نہیں دیکھا۔ جو آتے ہیں۔ کوئی گھی کا ٹین مانگتا ہے۔ کسی کے ہاں مُرغی اور انڈے گھوڑے کا دانہ گھاس اور چارہ پہنچانا پڑتا ہے۔

رمضانی :- چودھری صاحب! یہاں خدا کا دیا سب کچھ موجود ہے۔

بصیر :- تاہم ایسے نیک افسر کی خدمت کرنا تو ہمارا فرض ہے۔ کچھ تو فرمایئے (پان پیش کرتا ہے)

رمضانی :- تسلیم! (پان لے کر) سب آپ کی عنایت ہے۔ ہمارے صاحب اس قدر خوبیوں کے مالک ہیں۔ کہ کیا کہنا ہے۔ سبھی ان کے گن گاتے ہیں۔

بصیر :- کیوں نہ ہو۔ آخر شریف ہی ہوتا ہے۔

رمضانی :- اجی شریف کیا بلکہ اشرف مُغلیہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ بہادر شاہ آخری مُغل بادشاہ کے نواسے کے بھتیجے ہیں۔ اب تو اس خاندان کا چراغ گُل ہو گیا۔ مگر اس وقت تو یہی اس خاندان کے بچے کھچے آدمیوں میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور ہیں بھی اسی قابل۔ عالی نسب ٹھہرے۔

بصیر :- بجا ہے۔ مجھے بھی انہیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر ایک ہی دفعہ۔ اور وہ بھی پچھلے ڈپٹی کمشنر صاحب کے تبادلہ کی ٹی میں۔ اب ان سے اچھی طرح نیاز حاصل کرونگا۔

رمضانی :- ضرور ملئے - ابھی کیوں نہ تشریف لے چلئے - موقع ہے -
آپ کے قریب ہی تو ٹھہرے ہیں -

بصیر :- ضرور - ہمارا تو فرض ہے - کہ جب وُہ ہمارے علاقہ میں تشریف
لائے ہیں - تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوں -

رمضانی :- مرزا صاحب بڑے ہی قابل افسر ہیں - اپنے کام میں بلا
کے ہوشیار ہیں - گھنٹوں کا کام منٹوں میں ختم کر کے پڑھنے لکھنے
میں لگ جاتے ہیں - پڑھنے کے بڑے شوقین ہیں - کتاب کبھی
ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتی - اس پر با اخلاق پرلے درجہ کے -

بصیر :- کیوں نہیں - بے شک -

رمضانی :- کیا عرض کروں - بس ایک ہی کسر ہے - مرزا صاحب
کی اب تک خانہ آبادی نہیں ہوئی - اس سے دل مسوسا
جاتا ہے -

بصیر :- کیوں ؟ آخر کیا سبب ؟ کیا وُہ متاہل زندگی کو پسند نہیں
کرتے یا اب تک کہیں کوئی بر نہیں ملا ؟

رمضانی :- اجی شادی کو کون پسند نہ کریگا ؟ لیکن انہیں اب تک
رشتہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ہوئی - اب تو وُہ ترقی بھی پا
چکے ہیں -

بصیر :- (دلچسپی کے اظہار میں) اچھا ؟ کیا تنخواہ ملتی ہے ؟

رمضانی :- ابھی ابھی چھ سو کا درجہ ملا ہے - ہم لوگ ان کے نمک

خوار اس فکر میں ہیں۔ کہ کہیں رشتہ ہو جائے۔ تو ان سے سُرخرو ہو سکیں۔ مَیں بھی آپ کی خدمت میں اسی غرض سے حاضر ہُوا ہوں۔ کہ مرزا صاحب کی طرف سے آپ کو رشتے کا پیغام عرض کروں۔ اگر آپ انہیں اپنی فرزندی میں قبول فرمائیں۔ تو ہم سب کی عزّت اور خوش نصیبی کا موجب ہوگا۔ آپ خود ذی عزت اور ذی وجاہت ہیں۔ آپ کی تعریف ہر چھوٹے بڑے کی زبانی سُننے میں آئی ہے۔

بصیر:۔ یہ سب آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔ مگر اس کا کیا سبب کہ مرزا صاحب شہر کی نسبت گاؤں میں رشتہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

رمضانی:۔ اجی شہروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ وہاں آپ جیسے شریف خاندان کا ملنا بہت مشکل ہے۔ ہمارے صاحب چونکہ خود اخلاق کے پتلے ہیں۔ اس لئے ان کا خیال ہے۔ کہ موجودہ زمانے میں اگر عزّت آبرو اور دینداری کا پاس کہیں ہے۔ یا غیرت اور حمیّت کہیں دکھائی دیتی ہے۔ تو وہ دیہات میں ہے۔ شہری لوگ اپنی انسانیت زائل کر چکے ہیں۔ اور یہ ہے بھی کسی حد تک درست۔ روپیہ پیسہ آنی جانی چیز ہے۔ آج میرا۔ تو کل کسی اور کا۔ اصل چیز انسانیت ہے۔ اگر آپ جیسے نیک صفت لوگوں سے پالا پڑے۔ تو اور کیا چاہیئے۔

بصیر:- (خوش ہوکر) جمعدار صاحب! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں کس لائق ہوں؟ البتہ رشتے کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اور پھر اس صورت میں جبکہ میری ایک ہی بچی ہے۔ میں صلاح مشورہ کے بغیر کوئی جواب عرض نہیں کرسکتا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے۔ کہ میں آپ کے مرزا صاحب سے کم از کم ایک ملاقات تو کرلوں۔ ان کے مزاج خیالات وغیرہ سے آشنا ہوجاؤں۔ پھر بتا سکونگا۔

رمضانی:- بے شک۔ بجا فرمایا۔ تو آپ دیر کیوں کرتے ہیں؟ چلئے میرے ساتھ۔ یا کیا میں انہیں آپ کی خدمت میں بھجواؤں؟

بصیر:- صاحب نہر کے بنگلہ ہی میں تو ٹھہرے ہیں نا؟

رمضانی:- جی ہاں!

بصیر:- کب تک قیام رکھیں گے؟

رمضانی:- پرسوں تک ٹھہریں گے۔ کل کچھ مقدموں کی تاریخیں رکھی ہیں۔ اور نہر کا موقعہ بھی دیکھنا ہے۔ اچھا تو اب اجازت دیجئے۔ (کھڑا ہوجاتا ہے)

بصیر:- ٹھہریئے۔ کھانا تیار ہے۔ نان و نمک جو حاضر ہے۔ اس میں شریک ہوجایئے۔

رمضانی- توجہ۔ عنایت۔ مجھے صاحب کے لئے سامانِ رسد گاؤں سے خریدنا ہے۔ ان کی چائے کا وقت ہوتا جارہا ہے۔

بصیر:- میں سب کچھ ابھی حاضر کرتا ہوں۔
رمضانی:- عنایت شفقت۔ آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ صاحب
کی ہدایت ہے۔ کہ سب چیز دام دے کر لی جائے۔
بصیر:- ارے میاں ہمیں ان کی کچھ تو خدمت کرنے دو۔
رمضانی:- چودھری صاحب! آپ تکلیف نہ فرمائیے۔ صاحب
ناراض ہونگے۔ میں گاؤں میں گھوم کر لے لونگا۔
بصیر:- نہیں جمعدار صاحب۔ آپ ذرا سے کام کے لئے حیران
ہوں۔ آپ تشریف لے جائیے۔ ابھی سب سامان بھجوائے
دیتا ہوں۔ اور پھر ایک گھنٹہ تک گاؤں کا ایک جھگڑا چکا
کر وہیں حاضر ہونگا۔
رمضانی:- شکریہ۔ آداب۔
بصیر:- آداب عرض ہے (رمضانی جاتا ہے۔ جمیل آتا ہے)
بصیر:- (لیٹ کر)

ھ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست
آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید

جمیل:- (علیحدہ) او ہو آج تو شعر خوانی ہو رہی ہے (بلند آواز
سے) ابا جان کون صاحب آپ سے ملنے آئے تھے
بصیر:- (مسرت کے لہجہ میں) بیٹا! خدا نے خود بخود کام بنا دیا۔
اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ وہ کارساز ہے ٭

جمیل :- کیسا کام ؟ کچھ میں بھی تو سنوں ۔

بصیر :- بھئی ثروت کے لئے رشتے کی تلاش تھی نا ؟ ڈپٹی کلکٹر کا اردلی ابھی میرے پاس سے اٹھا ہے ۔ اس کی زبانی معلوم ہؤا ہے ۔ کہ ڈپٹی صاحب خود اس فکر میں ہیں ۔ اور رشتہ بھی کسی دیہاتی گھرانے میں کرانا چاہتے ہیں ۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں ۔ بس مقصد براری ہو گئی ۔

جمیل :- (سوچکر) ہے تو ٹھیک ۔ لیکن ثروت میری عزیز بہن اور آپ کی اکلوتی بیٹی ہے ۔ ذرا سوچ سمجھ لیجیئے ۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں پشیمانی ہو ۔ میرا خیال ہے ۔ کہ صاحب بہادر سے پہلے مل کر ان کی خو بو طور اطوار کو دیکھ لینا چاہیئے ۔

بصیر :- ٹھیک ہے ۔ ایسا ہی کرونگا ۔ مگر فکر کی کوئی بات نہیں ۔ وہ بہت عالی نسب آدمی بتائے جاتے ہیں ۔ اور ہیں بھی اونچے عہدے پر ۔ اگر رشتہ خاطر خواہ ہو جائے ۔ تو اس سے ہمارے بڑے کام نکلیں گے ۔ زمینداروں کے آئے دن کے جھگڑوں سے نجات ہو گی ۔ اور پھر تمہاری بیکاری کا بھی علاج ہو جائیگا ۔ ہم نے اتنا روپیہ خرچ کرکے تمہیں بی اے پاس کرایا ۔ آخر اس کا کچھ معاوضہ بھی تو ملنا چاہیئے ۔ دو سال سے تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو ۔ تمہیں کسی اچھے عہدے پر تعینات کرا دینگے ۔ تو کسی دن گھر میں حکومت ہوا کریگی ۔

جمیل :۔ (خوش ہو کر) بہت اچھا خیال ہے۔ مگر امّاں جان کی رائے اس کے مخالف ہے۔ مَیں نے ہر چند سمجھایا۔ مگر وُہ ایسا رشتہ پسند نہیں کرتی ہیں۔

بصیر :۔ ان کی پسند کو رہنے دو۔ انہیں کیا معلوم کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اور کیا کرنا چاہیئے۔ عورتوں کی بات مانیں۔ تو ہمارا کوئی کام بھی نہ چلے۔ یہ بہت اچھا موقع ہے۔ تم ذرا کپڑے پہن لو۔ اور مرزا صاحب سے ملنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ پہلے ان کے ہاں ہسو کے ہاتھ چائے کی رسد۔ مُرغی انڈا وغیرہ بھجواؤ۔

جمیل :۔ بہتر آج کل آموں کا موسم ہے۔ اپنے باغ کے پکّے پکّے آم تڑوا کر ایک ٹوکرا بھی ساتھ لئے چلتے ہیں۔

بصیر :۔ درست ہے۔ جاؤ قمرن سے کہو۔ کہ جلد ٹوکرا بھروا لائے۔ میں بھی خط بنوا کر اور نہا دھو کر تیار ہُوا جاتا ہوں۔ ذرا یوسف اور عزیز کے جھگڑے کا فیصلہ بھی کرنا ہے

(جمیل اور بصیر باری باری جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)



دوسرا ایکٹ۔ پہلا سین

وقت ۹ بجے صُبح

(مسعود کا مکان ۔ پچھلے سین کے واقعہ کے دو ماہ بعد
کلّن مسعود کا بوٹ پالش کر رہا ہے ۔ رمضانی آتا ہے)

رمضانی :۔ کلّن ! صاحب کے دفتر جانے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ کیا اب تک بُوٹ پالش نہیں ہوئے۔ ارے نو بجنے کو آئے ۔

کلّن :۔ (ہنسکر) اماں (اے میاں) رہن (رہنے) دے یار۔ وُہ دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اُڑایا کرتے تھے۔ اب تو صاحب پر نئے بیاہ کا نسہ (نشہ) سوار ہے۔ دن کے ساڑھے نو دس بجے تو وُہ سو کر اُٹھتے ہیں۔ ابھی تو بستر ہی میں ہونگے۔ ہمیں مالم (معلوم) نہیں کیا ؟

رمضانی :۔ کہتے تو ٹھیک ہو یار۔ پر آج تو انھوں نے کہا تھا۔ کہ سویرے سے جانا ہے۔ دفتر میں بہت سا کام کرنا ہے۔

کلن :۔ کھامکھا (خواہ مخواہ) ہم پر رعب مت ڈال۔ ہم سب جانتے ہیں۔ کہاں کا کام اور کہاں کا دفتر؟ ساحر (شاعر) نے کہا ہے نہیں کہ ؎

عاقبت کی کھبر (خبر) کھدا (خُدا) جانے
اب تو آرام سے گجرتی (گزرتی) ہے

ہوا کرو کام۔ صاحب کی ٹیبجی ویجی (ٹیبل ویبل) سب دھری رکھی ہے۔ ارے نئی جورو آئی ہے۔ بھئی! (مانسک) اس کا دبتر (دفتر) کیا کمتی ہے؟ وہاں کی حاجری پہلے۔ اور سرکاری دبتر (دفتر) کی پیچھے۔

رمضانی :۔ تجھے مسخرے پن کی سوجھی ہے۔ تھوڑی دیر میں تیری گت بنائینگے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔

کلن :۔ ہاں بھئی۔ یہ سب کام تیرا ہی تو بنایا ہوا ہے نا؟ یار بتا تو سہی۔ تجھے اس بیاہ کرانے کا کتا (کتنا) انعام ملا؟

رمضانی :۔ انعام تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملی۔ الٹا جھاڑ جھپٹ زیادہ ہونے لگی ہے۔ کسی وقت مزاج ہی ٹھکانے نہیں پائے جاتے۔

کلن :۔ اماں رہن دے یار۔ ہمیں سے چھپاتا ہے؟

رمضانی :۔ تیری جان کی قسم۔ انعام و نام خاک بھی نہیں ملا۔ ابھی تو خیر سے یہ بیاہ ہوئے ایک مہینہ ہی گزرا ہے۔ ابھی

سے بہ طور ہیں ۔ یا تو وعدہ تھا ۔ کہ تجھے نہال کر دونگا ۔ یا آج
گالی گلوچ پر اتر آئے ہیں ۔ ہم نہ ہوتے ۔ تو یہ لطف کہاں اِن
کے نصیب میں تھے ۔ تجھے معلوم ہی ہے ۔ کہ ہم نے انہیں
بہتیرے عیش کروائے ۔ ہماری جان کو دعا دیں ۔ پراب تو
ان کا باوا آدم ہی بدل گیا ہے ۔

کلن :- آگو آگو (آگے آگے) دیکھیو ہوتا ہے کیا ؟ چچا بتا تو سہی ۔
تو نے بصیر کہاں چوہدری کو کیسے اڑنگے پر چڑھایا ۔ یار تو ہے
بڑا چلبلا باز ۔

رمضانی :- اڑنگے پر کیا چڑھانا تھا ۔ مثل مشہور ہے چٹ میری
منگنی پٹ میرا بیاہ ۔ چودھری بصیر تو ایک ہی گاؤدی آدمی
ہے ۔ وہ پہلے ہی کسی افسر کے ہاں لونڈیا بیاہنے پر ادھار
کھائے بیٹھا تھا ۔ جیسے افسر کوئی فرشتہ یا قارون ہوتا ہے ۔
ہم نے ایک ہی بار جو دم دیا ۔ تو چودھری کے منہ سے رال ٹپکنے
لگی ۔ اب اسے بھی معلوم ہو جائیگا ۔ کہ دیہاتی رشتہ دار اچھے یا
افسر ۔ چودھری کی گگائی اسے دو ہتڑ لگائے گی ۔

کلن :- بھئی ایک بات تو ہے یار ۔ کہ جب سے یہ نیا بیاہ ہوا ہے ۔
ہمارا رجگار (روزگار) ماندپڑ گیا ہے ۔ ہماری روج (روز)
کی روٹی روکھی پھیکی ملنے لگی ہے ۔ نہ پلاؤ نہ جردہ (زردہ) نہ
متنجن ، نہ بریانی ۔ بس وہی مسور کی دال اور تنور کی روٹی ۔

رمضانی :- میں سمجھتا ہوں - یہ بیگم کچھ منحوس واقع ہوئی ہے سودا سلف منگاتے وقت میں مینخ نکالتی ہے - پائی پائی کا حساب لیتی ہے - پہلی بیگم (خدا رکھے) دل کی بڑی سخی تھیں - انہوں نے کبھی پوچھا تک نہ تھا - کہ کیا لائے ہو؟ کتنے کا لائے ہو؟ یہ ہیں کہ بال کی کھال نکالتی ہیں - ہر بات میں کرید کرتی ہیں - ہمیں تو بڑا گھاٹا رہا - خبر ہوتی تو رشتہ کرانے میں ایک قدم بھی نہ اُٹھاتے - خیر دیکھا جائیگا - میرے پاس بھی میاں کو درست کرنے کے لئے ایک چھوڑ دو دو ہتھیار موجود ہیں - اگر سیدھی طرح ہمارا انعام نہ دینگے - تو ہم بھی بھانڈا پھوڑ دینگے -

(اندر سے مسعود کے پکارنے کی آواز " رمضانی ' ابے رمضانی کے بچے ")

(آہستہ) ذرا سن لینا بھئی - ابھی تو خیر سے صبح ہی ہوئی ہے - چل کلن جلد بوٹ اٹھا کر رکھ - پالش کا سامان بغل میں دبا - اور جا کر ڈیوڑھی کو صاف کر (بلند آواز سے) حضور!

کلن :- (مسکراتا ہوا) آگو آگو دیکھیو ہوتا ہے کیا؟ (جاتا ہے مسعود شب کے لباس میں آتا ہے)

مسعود :- نکمے ، اٹھائی گیرے - سب کے سب نوکر حرام خور ہیں - تم لوگ یہاں کیا بڑبڑا رہے تھے؟ تمہارے ساتھ کون تھا؟

رمضانی :- کوئی بھی نہیں حضور۔
مسعود :- کوئی کیوں نہیں۔ کوئی تو ضرور تھا۔ ہمارے سونے کے کمرے میں بھنبھناہٹ سُنائی دے رہی تھی۔ بدتمیز کہیں کا۔ جھوٹ بولتا ہے۔
رمضانی :- حضور۔ کلن بُوٹ صاف کر رہا تھا۔ میں نے فقط اُس سے اتنا کہا۔ کہ جلدی کر۔ حضور کے دفتر کا وقت قریب آ رہا ہے۔
مسعود :- بدمعاش۔ پاجی کہیں کے۔ ہمیں سونے تک نہیں دیتے۔
رمضانی :- مجھے حضور کو ویسے بھی جگانے کا حکم تھا۔ کہ آج دفتر جلد پہنچنا ہے۔
مسعود :- نکل جا یہاں سے۔ بیہودہ کہیں کا۔ بے شعور۔ گستاخ! (رمضانی بڑبڑاتا ہُوا جاتا ہے)۔
ثروت :- (ثروت آتی ہے) کیوں خیر تو ہے؟ آج آپ سویرے ہی سویرے اتنا ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟
مسعود :- معلوم ہوتا ہے۔ ان شیطان نوکروں کو تمہیں نے سر چڑھا رکھا ہے۔ اس سے پہلے تو یہ حالت نہ تھی (ثروت سر جھکا کر کھڑی رہتی ہے) نہ انہیں مالک کا ڈر۔ نہ مالکہ کا لحاظ۔ میں ساتھ کے کمرے میں پڑا سو رہا ہوں۔ اور یہ بدتمیز

یہاں آ کر اپنی بکواس سے میری نیند خراب کر رہے ہیں۔
ثروت:۔ (خوف زدہ ہو کر) مگر آپ تو رات کہہ رہے تھے۔ کہ صبح دفتر جلد جانا ہے۔ میں نماز سے فارغ ہو کر آپ کو جگانے کو تھی۔ مگر پھر سوچا۔ کہ ابھی ذرا اور سو لیں۔ اب تو ۹½ بج چکے ہیں۔ دس بجے دفتر کا وقت شروع ہوتا ہے۔
مسعود:۔ تمہیں اس سے کیا مطلب۔ کہ کب دفتر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ کیا افسر بھی کلرکوں کی طرح دس ہی بجے دفتر جایا کرتے ہیں؟
ثروت:۔ مجھے کیا معلوم؟
مسعود:۔ مجھے کیا معلوم۔ اگر معلوم نہیں۔ تو معلوم کرنا تمہارا فرض ہے۔ کیا تمہیں اتنا بھی پتہ نہیں۔ کہ لاعلمی سب سے بڑا گناہ ہے؟ اگر گھر سے پوری تعلیم حاصل کر کے آئی ہوتیں۔ تو پھر ایسی باتیں نہ کرتیں۔ اور نہ تم بے علم کہلاتیں۔
ثروت:۔ (آبدیدہ ہو کر) مجھ سے خطا ہوئی۔ معاف کیجئے۔
مسعود:۔ بات بات پر معاف کیجئے۔ معاف کیجئے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔ تو میں کبھی ایسی گنوار دیہاتن سے۔ (ثروت روتی ہے) اور تو اور تم خانہ داری کے معمولی فرائض سے بھی ناواقف ہو۔ میرے خیالات کی تہ تک تو کیا پہنچ سکو گی۔ تم تو میری ادنیٰ ضروریات کا بھی خیال نہیں رکھتی ہو۔

صبح بستر کے اندر ہی مجھے چھوٹی حاضری ملنی چاہیئے۔ باورچن کس مرض کی دوا ہے؟ اس سے اتنا کام بھی نہیں لینا جانتی ہو حمام کے آنے پر شبو کے لئے گرم پانی موجود رہنا چاہیئے۔ آخر دن رات نمازیں پڑھتے رہنے کے لئے یہاں آئی ہو کیا؟ میں نے سخت غلطی کی کہ ــــ (منہ ایک طرف کر کے اندر چلا جاتا ہے جمیل آتا ہے)

جمیل:- آپا جان! آداب (ثروت رومال آنکھوں پر لئے کھڑی رو رہی ہے۔ رومال اُٹھا کر دیکھتی ہے۔ اور جلدی سے آنسو پونچھتی ہے) ہیں کیا بات ہے۔ خیر تو ہے؟

ثروت:- (مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے) جمیل! تم کب آئے بھیا؟

جمیل:- مَیں ابھی ابھی شہر میں وارد ہُوا۔ اور تمہیں ملنے چلا آیا۔ مگر تم تو رو رہی تھیں آپا۔ (پاس آ کر کندھے پر ہاتھ رکھ کر) کیا ہُوا؟ بتاؤ تو۔

ثروت:- کچھ نہیں بھیا۔ کچھ نہیں ہُوا۔

جمیل:- نہیں آپا (ہاتھ پکڑ کر) کچھ تو ہے۔ آخر مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو۔ کیا بھائی صاحب نے کچھ کہا؟

ثروت:- نہیں نہیں (ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے) کچھ ہُوا ہو تو کہوں۔ کہو۔ امی جان تو بخیریت ہیں۔ ابّا کیسے ہیں۔

جمیل :- میں ان کا حال پھر بتاؤں گا۔ پہلے تم بتاؤ۔ کہ رو کیوں رہی تھیں۔ ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے دُکھ ہوتا ہے۔ بیٹھ جاؤ (دونو بیٹھتے ہیں) مجھے اندر آتے وقت بھائی صاحب کے زور زور سے بولنے کی آواز سُنائی دی تھی۔ کیا تُم سے ناراض ہو رہے تھے؟

ثروت :- جمیل! تم کس خیال کے پیچھے پڑ گئے؟ لو مجھے ذرا ناشتے کے لئے ماما کو کہہ آنے دو۔ انہیں جلد دفتر جانا ہے۔ تُم کھانے کے کمرے میں چلو۔ ناشتہ کر لو۔ پھر سوفے میں مجھے گھر کا سب حال بتانا آؤ۔ (ثروت جمیل کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھاتی ہے۔ جمیل گہری سوچ میں متفکر ہو کر بادلِ نخواستہ اُٹھتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا ایکٹ دوسرا سین

پچھلے سین کے چھ ماہ بعد

(مسعود کی پہلی بیوی کلثوم کے ایک اوسط درجے کے مکان کا کمرہ۔ جس میں وُہ فرش پر بیٹھی سلائی کر رہی ہے۔ کپڑا سینے کی مشین پاس رکھی ہے۔ فہمیدہ ایک ادھیڑ عُمر کی آسودہ حال عورت کچھ سلائی کا کام لے کر آئی ہے۔ کلثوم کی عُمر ۳۰ کے لگ بھگ ہے۔ غریبانہ سفید پوش حالت میں ہے)

فہمیدہ :- بُوا کلثوم سلام! (برقعہ سر سے اُتار کر رکھ دیتی ہے)

کلثوم :- آؤ۔ بی فہمیدہ۔ بیٹھو۔ خیریت سے ہو؟ آج تو بڑے دنوں کے بعد صورت دکھائی۔

فہمیدہ :- (بیٹھ کر) کیا کہوں بوا؟ گھر کا کام دھندا سر کھجانے کی فرصت نہیں دیتا۔ ادھر بچوں کی پرورش اور نگہداشت ادھر گھر میں مہمانوں کی بھرمار۔ مشکل سے ذرا سا وقت

نکال کر تمہاری طرف چلی آئی۔

کلثوم :۔ کہو بچے تو اچھے ہیں ؟

فہمیدہ :۔ خُدا کا شکر ہے ۔ سب بخیریت ہیں ۔ میں تمہارے لئے کچھ کام لے کر آئی ہوں ۔ آج چار روز سے ممانی کلکتہ سے آئی ہوئی ہیں ۔ ان کے بچے وچے بھی ساتھ ہیں ۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں ۔ کہ درزی بلوادو ۔ تو بچوں کے فراک سلوا لئے جائیں ۔ میں نے کہا لاؤ میں اپنی بہن کلثوم کو دیئے آتی ہوں ۔ پرائے لوگوں کو اُجرت دینے کی بجائے گھر والوں ہی کو فائدہ کیوں نہ پہنچایا جائے ۔

کلثوم :۔ شکریہ ۔ خُدا تمہیں اپنی امان میں بچوں کے سر پر سلامت رکھے ۔ تم میری بڑی پرورش کرتی ہو ۔

فہمیدہ :۔ پرورش کرنے والا تو خُدا ہے ۔ انسان تو ایک دوسرے کا وسیلہ ہوتے ہیں ۔ سچی بات ہے بوا ۔ تمہاری کس مپرسی کی حالت دیکھ کر کلیجہ مُنہ کو آتا ہے ۔ جی ڈوبنے لگتا ہے ۔ کہاں وُہ دن کہ تم اپنے گھر میں ہنسی خوشی آباد تھیں ۔ نہ فکر نہ فاقہ ۔ کہاں آج اپنی نانِ شبینہ کے لئے محنت مزدوری پر اُتر آئی ہو ۔

کلثوم :۔ مَیں تمہاری مہربانی کے شکریہ میں الفاظ کہاں سے لاؤں ۔ اگر خُدا دُنیا میں تمہارے جیسی ہمدرد ہستیوں کو پیدا نہ کرتا ۔

تو ہم جلیسوں کا کہاں ٹھکانا تھا۔ مگر میرے لئے یہ محنت مزدوری
کوئی نئی چیز نہیں۔ میں تو مدت سے اس کی عادی ہوں۔ اور
اُس وقت بھی جبکہ یہ کالج میں پڑھا کرتے تھے۔ میں یہی
مزدوری کر کے اس کی اجرت ان کی نذر کرتی رہی۔ خدا جیسا
چاہے۔ اسی حال میں رکھتا ہے۔

فہمیدہ :- آفرین ہے تم پر۔ مگر کیا تمہاری جیسی انمول بیوی کی
انہوں نے یہی قدر کی۔ کہ نکال باہر کیا؟ آخر
کس خطا پر؟ میں پوچھتی ہوں۔ یہ انہیں ہوا کیا؟ اور سوجھی
کیا؟

کلثوم :- مجھے اس کا کچھ گلہ نہیں۔ سب اپنی تقدیر کا پھیر ہے۔
خدا نے چاہا تو دن پھر جائینگے۔

فہمیدہ :- آخر کچھ تو کہو نا۔ میں بھی تو کچھ سنوں۔ اور شاید کچھ تدبیر
بتا سکوں۔

کلثوم :- تم کیا تدبیر بتاؤ گی؟ (آبدیدہ ہو کر) ابا جان زندہ ہوتے۔
تو بھی ایک بات تھی۔ بہت سی مشکل آسان ہو جاتی۔ جو
حالت اکثر لکھے پڑھے مردوں کی ہوتی ہے۔ وہی ان کی بھی
ہے۔ آج کل ایک بیوی پر قناعت کر کے بیٹھنا تعلیم یافتہ مردوں
کا شیوہ نہیں۔

فہمیدہ :- آخر کچھ معلوم بھی تو ہو۔ کہ انہوں نے تمہیں کیوں

دھتا بتائی؟ تم ماشاءاللہ شکل وصورت میں کسی سے کم نہیں ہو۔ رہا سلیقہ۔ سو وہ تمہاری بات بات سے ٹپک رہا ہے۔ جاہل تم نہیں ہو۔ پھوہڑپن تم میں نہیں۔ پھر یہ کیا بات ہے۔ کہ تم سے یہ بدسلوکی روا رکھی گئی؟

کلثوم :۔ بتا تو رہی ہوں۔ کہ زمانے کا الٹ پھیر ہے۔ قسمت کا چکر ہے۔

فہمیدہ :۔ کیا وہ کسی دوسرے بیاہ کی فکر میں ہیں؟

کلثوم :۔ اجی واہ! بوا ان کا دوسرا نکاح ہوئے آج چھ مہینہ ہونے کو آئے۔ دہات کے کسی امیر گھرانے میں ان کا رشتہ ہوا ہے۔ چلو ہمیں چھٹی ہوئی۔ ہوئے وہ بلا سے۔ خدا نے ہمارا رزق تو بند نہیں کر دیا۔

فہمیدہ :۔ اوئی اللہ! یہ کیا کہہ رہی ہو بوا؟

کلثوم :۔ (سرد آہ بھر کر) آہ! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔

فہمیدہ :۔ کیسا اندھیر ہے۔ کہ مرد تو شادی کے معاملہ میں جو چاہیں کریں اور بچاری عورتیں ظلم وستم کا شکار ہوں۔ تمہیں گھر سے نکال دیا۔ خرچ بند کر دیا۔ کیا تم عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتیں؟

کلثوم :۔ کیوں نہیں فہمیدہ۔ لیکن عدالت تک جانا شریف بہو بیٹیوں کا کام نہیں۔

فہمیدہ :- تو پھر کیا اسی طرح دن بسر کرو گی ؟

کلثوم :- کوئی دن کی بات ہے۔ مسعود کی نئی بیوی آئیں بھی تو کیا۔ ان کا جی جلد بھر جائیگا۔ میں انہیں خوب جانتی ہوں۔

(دروازے پر دستک)

فہمیدہ :- باہر کوئی پکار رہا ہے۔ اچھا لو خدا حافظ (کھڑی ہو جاتی ہے اور برقعہ پہنتی ہے) میں پھر ملونگی۔ کہو تو فرحت کے ابا سے کوئی تدبیر پوچھوں یا انہیں کہوں۔ کہ وہ میاں مسعود کو سمجھائیں۔

کلثوم :- نہیں بہن انہیں تکلیف مت دو۔ ابھی تم ذرا ٹھہرو۔ دیکھتی ہوں۔ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ تم ذرا اندر کے کمرے میں بیٹھو۔

فہمیدہ :- (اندر جاتے ہوئے) تمہارا صبر ضرور رنگ لائیگا کلثوم! (جاتی ہے کلثوم اُٹھ کر دروازے کے قریب آتی ہے)

کلثوم :- کون ہے ؟

رمضانی :- (باہر ہی سے) میں ہوں رمضانی۔ بیگم صاحبہ!

کلثوم :- (سر پر چادر اوڑھ کر) اندر آجاؤ۔ رمضانی۔

رمضانی :- (اندر آ کر جھک کر سلام کرتا ہے۔ بیگم صاحبہ آداب!

کلثوم :- تم یہاں کیسے آئے۔ خیر تو ہے کہو تم اچھے ہو؟ تمہارے آقا تو خیریت سے ہیں ؟

رمضانی :- سرکار کیا عرض کروں۔ آقا وہ آقا رہے ہی نہیں۔

(روتا ہے) ۵، ۶ مہینے ہونے کو آئے۔ دن رات بڑی تنگی سے بسر ہو رہے ہیں۔ انہیں اپنے پرانے خیر خواہ اور نمک خوار اب ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ نہ جانے نیا بیاہ کرا کر انہیں کیا ہو گیا۔ گالی گلوچ کے سوا بات نہیں کرتے۔ کبھی جی میں آتا ہے۔ کہ چھوڑ چھاڑ کر کہیں اور نوکری کر لوں۔ سرکار آپ کی تکلیف کا خیال آتا ہے۔ تو جی نہیں مانتا۔ ہمیں تو ہر دم آپ کی نیکیاں یاد آتی ہیں۔ دل میں کہتا ہوں کہ جب آپ جیسی فرشتہ سیرت خاتون پر ایسی مصیبت گزر رہی ہے۔ تو ہم کس شمار میں ہیں؟ (روتا ہے)

کلثوم :۔ ارے بھائی ہمارا بھی خدا حافظ ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ۔ یہ تو کہو۔ کہ تمہاری نئی بیگم صاحبہ کیسی ہیں؟

رمضانی :۔ حضور یہ سارا فتور نئی بیگم ہی کا برپا کیا ہوا ہے۔ نہ وہ آتیں۔ نہ آپ یوں ضیق میں ڈالی جاتیں۔ اور نہ ہم پر یہ سختی کے دن آتے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ جلد دن پھرنے والے ہیں۔

کلثوم :۔ کیونکر؟

رمضانی :۔ سرکار میاں اس نئے بیاہ سے خوش نہیں ہیں۔

کلثوم :۔ (مسکرا کر) تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

رمضانی :۔ سرکار! دیر سے اس گھرانے کا نمک خوار ہوں۔

میاں کو مدت سے جانتا ہوں ۔ ان کا بھرم کھل گیا ۔ روز نئی بیگم سے لڑائی ہوتی ہے ۔ اور وہ بھی تنگ آ گئی ہیں ۔ ایک دن ایسی حالت میں ان کے بھائی آ پہنچے ۔ اور ان پر بھی یہ حال کھل گیا ۔ اب تو شاید کوئی دن کی بات ہے ۔

کلثوم :- مالک کی خیر خواہی تو اسی میں ہے نا ! کہ انہیں کوئی اور گڑیا کھیلنے کو لا دو ۔ جب نیا کھلونا جی سے اُترا تو اور لا دیا ۔

رمضانی :- (کھسیانہ ہو کر) اس وقت حالت اور ہے ۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو اطلاع دوں ۔ کہ آپ کی تکلیف کے دن ختم ہوئے میں سمجھتا ہوں ۔ اب موقع ہے ۔ کہ آپ چپکے سے چلی آئیں ۔ اور اپنا گھر سنبھال لیں ۔

کلثوم :- بھئی ہم کون جو گھر سنبھالیں ۔ گھر والی جانے اور ان کے مالک ۔

رمضانی :- نا سرکار ! میں سچ عرض کرتا ہوں ۔ آپ ذرا بھی فکر نہ کریں ۔ گھر کے سب نوکر چاکر آپ کو یاد کر رہے ہیں ۔ اور آپ کی خیر خواہی کا دم بھرتے ہیں ۔ آپ کے آنے سے گھر پھر سنبھل جائیگا ۔

کلثوم :- تم لوگ اپنے فائدے کی خاطر مجھے لے جانا چاہتے ہو ۔ نا بھئی مجھ سے اپنی فضیحتی نہیں کرائی جاتی ۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان ۔ اگر تمہارے آقا پہلے ہی سے جز بز ہو رہے

ہیں۔ تو ہمارے جانے سے تو اور بھی سیخ پا ہونگے۔

رمضانی :۔ ایسا کبھی نہ ہوگا. سرکار! اس کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ اس وقت میاں کا مزاج بہت برہم ہے۔ اور انہیں کسی ہمدرد کی ضرورت ہے۔ وہ ضرور آپ کا آسرا ڈھونڈھیں گے۔ اور آپ کا اس میں فائدہ بھی ہے۔ پھر تو نئی بیگم کوئی دن کی مہمان ہونگی۔

کلثوم :۔ ارے بادلے! کیا ایک میان میں دو تلواریں سما سکتی ہیں؟ اب تو میں چین سے الگ تھلگ بیٹھی ہوں۔ بلا سے اگر خرچ نہیں ملتا تو اپنے ہاتھ پاؤں تو سلامت ہیں نا؟ محنت مزدوری سے پیٹ پال لیتی ہوں۔ لیکن وہاں آ کر تو الٹا دن رات کی دانتا کل کل ہی سے نجات نہیں ہوگی۔

رمضانی :۔ سرکار۔ آپ مختار ہیں مگر ـــ (ٹھہر کر) آپ ایک بار آزمائش تو کیجیے۔ اگر کوئی تکلیف ہونے پائے۔ تو یہاں لوٹ آنے کا تو آپ کو اختیار رہے نا؟ ہاں دیکھئے سرکار میرے یہاں آ کر کیفیت بیان کرنے کا ذکر کہیں مت کیجئے گا۔

کلثوم :۔ بے فکر رہو۔ اچھا میں اس پر غور کرونگی۔ اب تم جاؤ۔

رمضانی :۔ کوئی خدمت ہو۔ تو بجا لاؤں۔

کلثوم :۔ کچھ نہیں۔ شکریہ۔

رمضانی :۔ (جاتے ہوئے ٹھہر کر) ضرور چلے آئیے۔ سرکار۔

اس وقت تو نئی بیگم بھی میکے میں ہیں۔ بڑا اچھا موقع ہے۔ اپنے حقوق طلب کیجئے۔ لیجئے آداب (جھک کر سلام کر کے جاتا ہے)

کلثوم:۔ فہمیدہ آجاؤ (فہمیدہ آتی ہے) کیا تم نے سُنا؟

فہمیدہ:۔ کون تھا؟

کلثوم:۔ ہمارا ملازم رمضانی۔

فہمیدہ:۔ میں نے سب کچھ سُنا۔

کلثوم:۔ یہ رنگ لائی گلہری؟ آخر میرا صبر پڑا۔ رمضانی کا کہنا ہے تو درست (سوچکر) کیا چلی جاؤں؟

فہمیدہ:۔ ضرور چلی جاؤ بوا۔

کلثوم:۔ ہاں ذرا اُس نئی نویلی دُلہن کو دیکھوں تو سہی۔ کیا رنگ ڈھنگ ہے۔ کم از کم اس وقت نوکر چاکر تو میرے طرفدار ہونگے۔ میں نہ ٹھہر سکی تو بلا سے نہ سہی۔ مگر میں بھی عورت ذات ہوں۔ اگر میاں نے ذرا بھی التفات کیا۔ تو بی دلہن کو تو ناک چنے ضرور چبوا دونگی۔ کہاں کی آئیں بیگم صاحبہ۔

فہمیدہ:۔ بہت اچھا موقع ہے۔ تمہیں جانا چاہیئے۔ میں پھر ملونگی۔ خدا تمہاری مدد کرے۔ خدا حافظ۔

(جاتی ہے کلثوم سلائی کرنے لگتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا ایکٹ تیسرا سین

(مسعود اپنے گول کمرے میں کوچ پر بیٹھا شراب پی رہا ہے)

مسعود:۔ رمضانی! (رمضانی اندر آکر "حضور")

مسعود:۔ کیوں بے گدھے کہیں کے۔ تجھے کب سے کہہ رہا ہوں۔ کہ درزی کے ہاں سے میرا سوٹ لے آ۔ مگر تو ہے کہ کانوں میں روئی ٹھونسے رکھتا ہے۔ آخر کب تک تیری بیہودگیوں کو برداشت کرتا رہونگا۔ اچھا اب آئندہ کام نہ ہونے پر تیری تنخواہ کاٹی جائیگی۔

رمضانی:۔ حضور چار مرتبہ درزی کے ہاں گیا۔ مگر وُہ آج کل آج کل کرتا رہتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟

مسعود:۔ گستاخ۔ نمک حرام کہیں کا۔ آگے سے جواب دیتا ہے۔

رمضانی:۔ نہیں جناب میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔

مسعود:۔ چل یہاں سے نابکار (رمضانی جاتا ہے) ان نوکروں کے ہاتھوں کیسا زچ ہو رہا ہوں (رمضانی لوٹ کر آتا ہے)

رمضانی :- حضور اشرف صاحب باہر ملاقات کو آئے ہیں۔
مسعود :- (خفگی سے) بلا لے (رمضانی جاتا ہے۔ اشرف آتا ہے)
اشرف :- آداب عرض ہے۔
مسعود :- (خشک لہجہ میں) آیئے۔ آج کہیں مہینوں کے بعد تم بھی نظر آئے۔ راستہ تو نہیں بھول گئے؟
اشرف :- میں تو دانستہ تمہاری طرف نہیں آیا۔
مسعود :- وجہ؟
اشرف :- بس اسی لئے کہ تمہارے مشاغل میں خلل واقع نہ ہو۔ آخر یہ موقع بھی تو ایسا ہے تا کہ تمہیں تخلیہ درکار ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ تاہل کے ابتدائی ایام میں دوست آشنا کا آنا ناگوار ہوا کرتا ہے۔ اب تو آپ نہ کہیں کلب میں نظر آتے ہیں۔ نہ ٹینس ہے نہ شطرنج نہ برج۔ کیوں نہیں آخر یہ خود فراموشی بھی تو زندگی کا ایک لطیف پہلو ہے۔ اور اسی سے دنیا ایک چند روزہ بہشت بن جاتی ہے۔ بقول غالب۔ ع

اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

مسعود :- کاش کہ تمہارا کہنا سچ ہوتا۔
اشرف :- کیوں کیا میں نے غلط کہا؟

مسعود :- سر تا سر غلط میں نے دھوکا کھایا۔ اشرف!
اشرف :- تو کیا نیا تجربہ تلخ ثابت ہُوا!
مسعود :- (ایک ایک لفظ پہ ٹھہرتے ہوئے اور سامنے نظر جمائے ہوئے)
بد سے بدتر اشرف! کاش کہ میں دیکھ بھال کر شادی کرتا۔
(شراب کا گلاس بھر کر پیتا ہے)
اشرف :- افسوس کہ اس نئی شادی سے تمہاری توقعات
پوری نہ ہوئیں۔
مسعود :- توقعات؟ یہ تو بہت بڑا لفظ ہے۔ محض دہقانیت
اور گنوارپن کا مجسمہ!
اشرف :- (قریب آکر) کیا حسین نہیں؟
مسعود :- ؎

وُہ حسین ہیں تو ہُوا کریں جو وُہ نازنین ہیں تو کیا کریں
میری حسرتوں کا کیا ہے خوں میرے دل سے آپ اُتر گئے

محض ظاہرہ حسن ایک بے معنی چیز ہے۔ اصل چیز حسنِ طبیعت
ہے۔ یہاں ایک چیز تو کچھ ہے۔ دوسری نام کو نہیں۔
اشرف :- تم نے اچھی طرح دریافت حال کیا ہوتا۔
مسعود :- افسوس۔ کہ میں ایک خبط میں مبتلا تھا۔ جلد بازی
نے کام بگاڑا۔
اشرف :- دیکھو مسعود اپنی بگڑی کو بنانے کی کوشش کرو۔ اگر

تمہاری نئی دُلہن اُن توقعات کو پورا نہیں کرتی۔ تو تم اس
کی خوبیوں پر نظر ڈالو۔ اور اپنی توقعات کو کم کر دو۔ پھر یہی تلخی
راحت سے بدل سکتی ہے۔

مسعود:۔ ناممکن ہے۔ کیا میں ایک بلند درجے سے گر کر ایک
عامیانہ سطح پر اُتر آؤں؟ اور اسی طرح زندگی بسر کرنے
لگوں جس طرح عام مزدور بسر کرتے ہیں؟

اشرف:۔ قسمت پر شاکر ہو جانے کا دوسرا نام قناعت ہے۔ اور
قانع آدمی بقول سعدی امیر ہوتا ہے۔ ع
قناعت تونگر کند مرد را

مسعود:۔ میں قناعت کا دوسرا نام کم ہمتی رکھتا ہوں۔ جو شخص
قسمت پر صبر کر کے بیٹھ رہا۔ اس نے دُنیا میں کیا خاک ترقی
کی؟

اشرف:۔ تو کیا اب تیسری شادی کرنے کا ارادہ ہے؟

مسعود:۔ یہ تو وقت پر دیکھا جائیگا۔ اگر تیسری شادی ہوئی بھی تو
اس میں حرج ہی کیا ہے۔ آخر شادی ایک لاٹری ہی تو ہے
نا۔ ایک دفعہ تمہارے نام نہ نکلی۔ دوسری دفعہ سہی۔ تیسری
دفعہ سہی۔

اشرف:۔ بے شک مگر اس طریق سے، جو تُم اختیار کر رہے ہو۔ اگر
ایک کے بعد دوسری شادی کی ضرورت پڑے۔ تو اس کے

متعلق خاص قیود عائد ہیں۔ دوسری کی ضرورت ہی کیوں پیدا ہو؟ اور اگر ہو تو دونو بیویوں میں انصاف کو قائم رکھنا۔ دونو کی ضروریات کو برابر مہیا کرنا لازم ہے۔ نہ یہ کہ ایک کو تو عاق کر کے نان شبینہ تک کو ترسانا۔ اور دوسری کو گھر کی رانی بنا لینا۔ یا محض اس لئے کہ پرانی جنتری کی طرح ہر سال پرانی بیوی کو بے کار کر کے پھینک دینا۔ یہ باتیں ہرگز جائز نہیں ہیں۔

مسعود:۔ جناب واعظ اپنا وعظ تہ کر کے جیب میں ڈال لیجئے ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس وقت تو مشکل یہ آپڑی ہے۔ کہ تم مجھے ایک دوست کی حیثیت سے اس مصیبت سے رہائی دلانے کی کیا تدبیر بتاتے ہو۔؟

اشرف:۔ تم نے میری پہلی تدبیر پر کون سا عمل کیا۔ جو اور تدبیر بتاؤں؟

مسعود:۔ ایسا نہ ہوگا اشرف! مجھے فقط اتنا بتا دو۔ کہ میں ان حالات میں کیا طریقہ اختیار کروں۔ جس سے سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔

اشرف:۔ (ہنس کر) حسن کے رسیا۔ نئی بیوی سے جی بھر گیا؟ اس سے نجات چاہتے ہو کیا؟

مسعود:۔ ہاں۔

اشرف :- تو اسے طلاق دے دو۔
مسعود :- طلاق - یہ تو سہل ہے۔ لیکن ایک طرف تو اپنی بدنامی۔
دوسری طرف حق مہر ادا کرنے کا سوال آپڑتا ہے۔
اشرف :- کتنا مہر ہے ؟
مسعود :- پانچ ہزار۔
اشرف :- چہ خوش - قربان جائیے - آپ کی دانش اور حمیت پر۔
نہ تو دوسرا بیاہ کر کے خوش ہو۔ نہ طلاق دینے پر رضامند ہو۔
اور نہ پہلی بیوی کو گھر میں رکھنا چاہتے ہو۔ یہ شاہانہ طبیعت
آج کل کے مساوات کے زمانہ میں کیسے نبھ سکتی ہے ؟ مذہب
نے تو صاف بتا دیا۔ کہ اگر میاں بیوی میں نباہ نہیں ہوتا۔ تو
طلاق اس کا سہل علاج ہے۔ اور اگر یہ نہیں کرتے۔ تو اپنے
کیئے پر صبر کرو۔
مسعود :- یہ تو کوئی معقول تدبیر نہیں۔

اشرف :- تو یوں کہیئے۔ کہ حضرت کا اس کھلونے سے بھی جی بھر گیا۔
اور اب اسے پھینک کر کوئی اور کھلونا خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر
پہلی بیوی کی طرح اسے بھی اندھے کنوئیں میں دھکیل دینے
کا ارادہ ہے۔ تو یاد رکھنا سخت غلطی کرو گے۔ اِسلئے کہ یہ گناہِ
کبیرہ ہے۔ اور پھر بصیر خاں چودھری سخت جھگڑالو اور

مقدمہ باز ہے۔ تمہیں زک اُٹھانے کے علاوہ رسوائی سے
بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ تمہاری افسرانہ حیثیت اس بدنامی
کی کیسے متحمل ہو سکے گی؟

مسعود:۔ بصیر خاں کی ایسی تیسی۔ اس کی مجال ہی کیا ہے؟

اشرف:۔ ابھی خالی دھمکیوں اور اکڑ فوں سے کام نہیں چلے گا۔
اچھا اگر یہ نہیں۔ تو دونوں بیویوں کا خرچ اُٹھاؤ۔ اور
تیسری شادی کرلو۔

مسعود:۔ وقت پر دیکھا جائیگا۔ لیکن تمہارا مشورہ مجھے چنداں
اپیل نہیں کرتا۔

اشرف:۔ ناراض نہ ہو مسعود! تُم ایک ایسی دُنیا میں رہنا چاہتے
ہو۔ جو ہندوستان کی موجودہ فضا کے حسب حال نہیں کسی
اور سر زمین میں جا کر رہو۔ یہاں آیندہ دس بیس برس کے
عرصہ میں ایسی فضا پیدا ہو جائے۔ تو عجب نہیں لیکن
موجودہ حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ دو افسروں
کا حال تو مجھے بھی معلوم ہے۔ جنہوں نے اس قسم کی بدعنوانیوں
سے نہ صرف اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگوایا۔ بلکہ اپنی ملازمت
سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ تمہارے سر میں ایک ہوا بھری ہے۔
اِسے نکال ڈالو۔ اور سیدھی طرح ایک صابر میاں کی زندگی
بسر کرو۔۔ بس زیادہ کہوں گا۔ تو پھر مجھے واعظ کا

خطاب دو گے ۔ (رمضانی آتا ہے)

رمضانی :۔ حضور باہر ایک برقعہ پوش عورت کھڑی ہے ۔ اور آپ سے ملنا چاہتی ہے ۔

مسعود :۔ تم نے پوچھا نہیں کہ کون ہے ؟

اشرف :۔ مجھے اجازت دیجئے (آہستہ) نئے سرے سے طبع آزمائی کیجئے ۔ موقع اچھا ہے (اٹھ کر ہنستا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے ۔ اور ہاتھ ملا کر جاتا ہے)

مسعود :۔ (تیوری چڑھا کر) خدا حافظ ! (رمضانی سے) عورت کو اندر بلا لو (رمضانی جاتا ہے) اشرف کی دوستی سے ہاتھ اٹھانا پڑیگا ۔ خواہ مخواہ یہاں آکر عیش منغّص کرتا ہے ۔ مجھے ایسے ثقل اعوذیوں کی ضرورت نہیں ۔ (رمضانی اور اس کے پیچھے برقعہ پوش عورت آتی ہے) رمضانی ! تم جاؤ ۔

رمضانی :۔ بہتر (جاتا ہے)

مسعود :۔ (اشتیاق کے لہجہ میں) آپ کون ہیں ۔ مجھ سے ایسا کیا کام ہے ؟

برقعہ پوش عورت :۔ (برقعہ اُٹھا کر) کیا اتنی جلدی بھول گئے ۔ ابھی تو خیر سے نئی خانہ آبادی کو چھ ہی ماہ ہوئے ہیں ۔

مسعود :۔ (متعجب اور ناراض ہو کر) ہیں کیا کلثوم ؟ تم یہاں کیسے چلی آئیں ؟ کس نے بلایا ؟

کلثوم :- (برقعہ اتار کر رکھ دیتی ہے) کس نے بُلایا؟ کیسے چلی آئی؟ کیا میں اپنے گھر میں نہ آؤں؟ کیا میں اپنے حقوق کو پامال ہونے دوں؟

مسعود:- کیسے حقوق؟ میں نے تمہیں کب یہاں آنے کی اجازت دی؟ تم اسی دم یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ بے عزت کر کے نکال دی جاؤ گی۔

کلثوم :- (کوچ پر سہارا لے کر بیٹھتی ہے) میں تمہاری اجازت کی محتاج نہیں ہوں۔ میں اپنے گھر میں آنے کی پوری مختار ہوں تم ہو کون مجھے نکالنے والے؟ وُہ دن بھُول گئے کیا۔ جب کالج میں چیتھڑے لٹکائے فیس کو محتاج پھرا کرتے تھے؟ میرے مرحوم ابّا تمہیں خرچ بھیجا کرتے تھے۔ تمہیں تو کپڑے پہننے تک کا سلیقہ نہیں تھا کِس نے تمہیں کپڑے سی سی کر بھیجے۔ کس نے تمہیں اپنا زیور بیچ کر بی۔ اے اور ایم اے پاس کرایا میں نے۔ اگر کچھ غیرت ہوتی۔ تو میرے پاؤں دھو دھو کر پیتے۔ آج ذرا سی افسری مل جانے اور چار ٹکے کی آمدنی کے سر ہونے پر نواب بے ملک اور فرعون بے سامان بن گئے۔ اور تو اور میرے ہی اوپر تم نے سوتن لا بٹھائی (رو کر) کیا دُنیا میں احسان کا بدلہ یہی ہوتا ہے جو تم نے مجھے دیا؟

مسعود:- کیسا احسان؟ اگر تُم نے چار سال تک مجھے روپیہ دیا۔ تو

کیا میں نے تمہارے جیسی مُنہ پھٹ اور بے شعور عورت کو
کو اس کا معاوضہ ادا نہیں کر دیا؟ میری زوجہ ہونے کی عزت
کیا کم ہے؟

کلثوم :- زوجہ ہونے کی عزت؟ واہ رے میرے باعزت شوہر۔
ذرا اپنے گریبان میں مُنہ ڈال لو۔ مجھے تمہاری سب کرتوتوں
کا رتی رتی علم ہے۔ تم افسر ہوگئے تو اپنے محکمے کے۔ مجھ پر
افسری جبھی کر سکو گے۔ جب اپنا چلن درست کر دوگے۔ انسان
کا رعب اور دبدبہ اس کے اخلاق سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ کہ
وحشیانہ زور شور سے۔

مسعود :- ٹھہر میں تیرا ابھی علاج کرتا ہوں۔ رمضانی!

رمضانی :- (اندر آکر) حضور!

مسعود :- اس عورت کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو رمضانی
کھڑا حیرت سے دونو کا مُنہ تکتا ہے) کھڑا کیا دیکھ رہا ہے؟

کلثوم :- رمضانی! تو اس گھر کا نمکخوار ہے۔ پروردہ ہے۔ کچھ معلوم
ہے۔ کہ کسے نکالنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟

رمضانی :- کیا بیگم صاحبہ کو نکال دوں؟ حضور یہ مجھ سے کبھی
نہ ہوگا۔

مسعود :- ہمارا حکم نہیں مانتا؟

رمضانی :- جناب بندہ بے جا حکم ماننے پر کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا۔

(کلثوم قہقہہ لگا کر ہنستی ہے۔ مسعود غُصّے سے رمضانی
کو دیکھتا ہے)

مسعود:۔ تو نکل جا یہاں سے۔ ہم آج سے تجھے نوکری سے علیحدہ
کرتے ہیں۔

رمضانی:۔ بہت اچھی بات ہے۔ پہلے میری ۶ ماہ کی تنخواہ جو
آپ کے ذمہ ہے۔ عنایت فرمائیے۔ پھر چلا جاؤنگا۔

مسعود:۔ (ہنٹر اُٹھا کر مارتا ہے) پاجی۔ ذلیل کتا کہیں کا۔

رمضانی:۔ (خاموش کھڑا مار کھا کر) بیگم صاحبہ! آپ گواہ ہیں۔
کہ انہوں نے مجھ پر بے جا درازدستی کی ہے۔ (مسعود پستول
اٹھا کر مارنے کو ہے۔ کلثوم اُٹھ کر ہاتھ پکڑ لیتی ہے)

کلثوم:۔ بس بس رحم کیجئے۔ رمضانی بالکل بے قصور ہے۔ رمضانی
تم ان کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ذرا باہر چلے جاؤ۔
(رمضانی جاتا ہے)

مسعود:۔ میں تم دونو کا بند و بست کئے لیتا ہوں۔ ابھی پولیس
کو بلواتا ہوں (ٹیلیفون کے قریب جاتا ہے)

کلثوم:۔ (ٹیلیفون پکڑ کر) ذرا سوچ سمجھ لو۔ اس میں ہم سے زیادہ
تمہاری بدنامی ہوگی۔ اس کے علاوہ میں اپنے معاملے کے
متعلق تمام حال وکیل سے بیان کر آئی ہوں۔ میں تمہیں ایک
موقع اور دینا چاہتی ہوں۔ اگر تم اسی طرح اپنی ضد پر

اڑے رہے۔ تو میں کل اپنے وکیل کو دعوےٰ دائر کرنے کی اجازت دے دونگی۔ اور اب تو مجھے اس گھر سے ایک زبردست گواہ مل گیا ہے۔ رمضانی کو تمام حال اول سے آخر تک معلوم ہے۔ اور وہ ہے بھی ستم رسیدہ (مسعود رک جاتا ہے۔ اور ٹیلی فون رکھ دیتا ہے)

مسعود:۔ اچھا تو اب تم کیا چاہتی ہو؟

کلثوم:۔ یہی کہ یا تو مجھے طلاق دو۔ اور میرا پانچ ہزار کا حق مہر ادا کرو۔ اگر یہ نہیں اور مجھے علیحدہ ہی رکھنا چاہتے ہو۔ تو میرے نان و نفقہ کا خرچ ادا کرو۔ اور میرا زیور جو لے چکے ہو۔ واپس دو۔

مسعود:۔ ورنہ

کلثوم:۔ ورنہ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا۔ عدالت کا دروازہ کھلا ہے۔ میرے پاس چچا جان کی دی ہوئی اتنی رقم موجود ہے۔ کہ اس کے ذریعے میں قانون کی رو سے تم پر نالش دائر کریں۔ اور اپنا کھویا ہؤا حق واپس لوں (مسعود رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھتا ہے۔ اور بیٹھ جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں)

مسعود:۔ کلثوم! مجھ سے خطا ہوئی۔ غصے میں انسان باولا ہو جاتا ہے۔

کلثوم:۔ (مسکرا کر) کچھ مضائقہ نہیں۔ ذرا سستا لو۔ جو کچھ میں نے

کہا ہے۔ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔

مسعود:۔ میں نے سب سمجھ لیا۔

کلثوم:۔ نواب کونسی تجویز منظور ہے؟

مسعود:۔ تم یہاں اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہو۔ میں نے سخت غلطی کی کہ تمہیں اتنا عرصہ ایذا پہنچائی۔ مجھے معاف کر دو۔

کلثوم:۔ میرا یہاں رہنا تمہیں کیونکر گوارا ہوگا۔ جبکہ تم دوسری شادی کر چکے ہو؟

مسعود:۔ مجھے تمہارا رہنا منظور ہے۔ کیا ہوا اگر میں نے دوسری شادی کر لی؟

کلثوم:۔ ہاں کیا ہوا؟ تمہارے لئے یہ معمولی بات ہے۔ ہمارے جذبات کا شیشہ چکنا چور ہو جائے۔ تمہیں اس کا کیا اندازہ؟ ہماری خواہشات کچل دی جائیں۔ تمہاری بلا سے۔ خیر مجھے منظور ہے۔ کہو نئی دلہن کہاں ہیں؟

مسعود:۔ (قریب آ کر) کلثوم اپنی خطا تو مان رہا ہوں۔ پھر اب کیوں کوسنے دیتی ہو؟

کلثوم:۔ نہیں میں تو کسی کو نہیں کوستی۔ البتہ یہ سوچنے کی بات ہے۔ کہ یہاں رہ کر میری حیثیت کیا ہوگی؟ تم دونو کی لونڈی یا برابر کی رفیق؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

مسعود:۔ تم میری رفیق ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کلثوم! ہاں

ایک شرط میری بھی مان لو۔ وُہ بھی چند دنوں کے لئے۔ اس کے بعد تم گھر کی پوری مختار ہوگی۔

کلثوم:۔ وُہ کونسی ایسی شرط ہے؟

مسعود:۔ ثروت دو روز سے نیکے گئی ہے۔ چند دنوں تک لوٹ آئیگی۔ اس کے آنے پر تم اپنے آپ کو میری بھابھی ظاہر کرنا۔ اس کے بعد دیکھا جائیگا۔

کلثوم:۔ مجھے منظور ہے۔

مسعود:۔ میرا دفتر کا وقت ہوگیا۔ میں وہاں سے لوٹ کر چار بجے گھر آونگا۔ خُدا حافظ (جاتا ہے)

کلثوم (علیحدہ) مثل ہے۔ لاتوں کے بھُوت باتوں سے نہیں مانتے۔ آخر ہوئے نہ سیدھے۔

(اندر جاتی ہے)

{پردہ گرتا ہے}



تیسرا ایکٹ - پہلا سین

ایک ماہ بعد

{نصیر خاں کا مکان - ثروت چارپائی پر سرنگوں بیٹھی ہے - عائشہ آتی ہے - اور ثروت کے پاس بیٹھ کر اسے پیار کرتی ہے}

عائشہ :- ثروت! تم کیوں اُداس ہو - خیر تو ہے؟

ثروت :- کچھ نہیں اماں! یونہی ذرا کام کرتی کرتی تھک گئی تھی - بیٹھ کر آرام کرنے لگی -

عائشہ :- نہیں ثروت - یہ بات نہیں - تم آج ایک مہینے سے میکے میں آئی ہو - لیکن ایک دن بھی میں نے تمہیں خوش وخرم نہیں دیکھا - کہاں وہ شادی سے پہلے ہنسی خوشی کے دن - اور کہاں آج یہ خاموشی - مجھ سے کہو - کیا بات ہے؟

ثروت :- کوئی بھی بات نہیں اماں -

عائشہ :- نہیں کچھ تو ہے - مجھ سے مت چھپاؤ - کہہ ڈالو -

کیا میاں ناراض ہیں ؟

ثروت :- میں کیا کہوں - (آنکھوں پر رومال رکھ کر) باوا نے ناحق اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا -

عائشہ :- اُف ثروت - مجھ سے تمہاری یہ حالت دیکھی نہیں جاتی - کچھ عرصہ پیشتر جب میں تمہارے ہاں سے آئی تھی - تو وہیں تمہارے گھر کا نقشہ بدلا ہُوا نظر آیا تھا - تُم نے مجھ سے تب بھی کھُل کر بات نہ کی - لیکن اب تو میں ضرور تمہارے مُنہ سے کہلواؤنگی - مجھ سے بیان کرو - میں اس معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہتی ہوں -

ثروت :- (روتے ہوئے) میرا کچھ بھی قصور نہیں - شروع ہی سے وُہ مجھے لتاڑتے چلے آئے ہیں - میں پوچھتی ہوں - اماں کہ تُم نے اپنی ایک ہی بیٹی کو یوں کیوں اندھا دھند گھر سے دھکا دے دیا ؟

عائشہ :- میں قربان گئی (آبدیدہ ہو کر) اس میں میرا قصور نہیں - یہ سب تیرے باوا کا کیا دھرا ہے -

ثروت :- (ناراض ہو کر) تو تُم کس مرض کی دوا تھیں اماں ؟ کیا تُم سے انہیں روکا بھی نہ گیا ؟ تُم لوگوں نے اتنا بھی نہ کیا - کہ حالات دریافت کرکے میرا بیاہ کرتے -

عائشہ :- بیٹی - میں واری گئی - تو رومت - مجھ سے سارا حال

بیان کر۔

ثروت :۔ حال کیا خاک بتاؤں۔ میں خود حیران ہوں۔ معلوم نہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ میں ہر طرح ان کی خدمت کرتی ہوں۔ مگر اس کا اثر الٹا پڑتا ہے۔ کبھی مجھے "ان پڑھ اور جاہل" بتاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں۔ کہ جب تم انگریزی شاعری کو نہیں سمجھ سکتی ہو۔ تو تم میرے مصرف کی نہیں ہو۔ کبھی مجھ سے گانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ مجھے نہیں آتا۔ تو کوسنے لگتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ جس طرح بولتی چادر پر عورتیں ناچتی ہیں۔ تم بھی ناچ کر دکھاؤ۔ اگر ناچنا نہیں آتا۔ تو اس کی تعلیم حاصل کرو۔ بی اماں! یہ ہے حالت گھر کی۔ اور یوں میری دُرگت ہوتی ہے۔

عائشہ :۔ (گھبرا کر) لاحول ولا قوۃ۔ نوج۔ کیا گھر کی بہو بیٹیاں ناچا اور گایا کرتی ہیں؟ خدایا تیری پناہ! یہ کس مردوے سے پالا پڑا۔ یا الٰہی تو رحم کر اور ہماری عزت رکھ لے۔

ثروت :۔ خیر یہ بدسلوکی بھی گوارا کی سہی۔ لیکن اماں۔ تمہیں کچھ علم بھی ہے؟ وہاں تو ایک اور ہی گل کھلا ہے۔

عائشہ :۔ نہیں بیٹی مجھے کیا معلوم؟

ثروت :۔ جی تو چاہتا ہے۔ کہ کنوئیں میں چھلانگ کر جاں دیدوں۔ (روتی ہے)

عائشہ :۔ کیوں کیا بات ہے؟ کیا گل کھلا؟ (ثروت کو چمکار کر) کہو میری بیٹی۔ رو نہیں۔ کہو۔

ثروت :۔ بی اماں! ان کی تو پہلی بیوی موجود تھی۔ پھر تم نے مجھ سے یہ کیا دشمنی کی۔ جو مجھے بیاہتا آدمی سے بیاہ دیا؟

عائشہ :۔ (کھڑی ہو کر) ہیں؟ کیا کہا؟ پہلی بیوی موجود تھی؟ یا اللہ! یہ کیا ستم ٹوٹا؟ تمہیں کب سے معلوم ہؤا؟ ہم نے تو کچھ نہیں سُنا۔

ثروت :۔ کوئی ڈیڑھ مہینہ کی بات ہے۔ کہ ایک روز ایک عورت ان کے گھر میں آئی۔ مجھ سے اُنہوں نے کہا۔ کہ بھابھی جان جہانگیر آباد سے آئی ہیں۔ ان کی خاطر مدارات کرنا۔ بات آئی گئی ہوئی۔ لیکن جُوں جُوں دن گزرتے گئے۔ ان کی توجہ اپنی بھابھی جان کی طرف زیادہ ہونے لگی۔ ہر وقت اسی کو کمرے میں بیٹھائے رکھتے تھے۔ اور میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ پھر تو میرے سامنے ہی اس سے کھُلم کھُلا پیار محبت کی باتیں ہونے لگیں۔ اور یوں میری چھاتی پر مونگ دلنے لگے۔ میں ان دونو کی لونڈی۔ اور وہ گھر کی ملکہ بن گئی۔ رمضانی کی زبانی معلوم ہؤا۔ کہ یہ ان کی پہلی بیوی ہیں۔ جسے عرصہ سے عاق کر رکھا تھا۔ دن بدن مجھے زیادہ دھتکارنے لگے۔ ایک دن مجھے مارا بھی۔ آخر مجھ سے کہا۔ کہ تمہیں گھر گئے عرصہ گزر گیا ہے۔ میکے کیوں نہیں جاتی ہو؟ میں اُٹھ کر ماما سمیت

آپ کے یہاں چلی آئی۔ یہ ہے تمام قصّہ۔ اب تم ہی کہو۔ کہ میں کیا کروں۔ کیا نہ کروں میں تو کہیں کی نہ رہی۔ (روتی ہے)

عائشہ:۔ ہائے میری بچی۔ کس موذی کے پلے پڑی (دونو ہاتھوں سے اپنا سر اور زانو پیٹتی ہے۔ جمیل و بصیر آتے ہیں)

جمیل:۔ ہیں کیا ہوا؟ اماں جان۔

بصیر:۔ ثروت! خیر تو ہے؟

عائشہ:۔ خیر کاہے کو ہونی تھی۔ میری بچّی تباہ ہو گئی۔ تم نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔ میں نے لاکھ سر پیٹا۔ کہ رشتے داروں ہی میں اس کا بیاہ ہونے دو۔ تم نے ایک نہ مانی۔ افسر داماد۔ افسر داماد کی رٹ لگا رکھی تھی۔ دیکھ لی کیا اس کی کرتوت؟ افسر جنوائی نہیں۔ بلکہ اچھا خاصہ قصائی ہے۔ جس نے ہماری بیٹی کے گلے پر چھری پھیرنے میں دریغ نہ کیا۔ ارے ہم لٹ گئے۔ (روتی چلاتی ہے)

جمیل:۔ ذرا بیٹھ جائیے اماں جان اور تسلّی سے بات کیجئے۔ (بیٹھا لیتا ہے۔ جمیل و بصیر بھی بیٹھتے ہیں)

عائشہ:۔ (روتی ہوئی) کیا خاک تسلی سے بات کروں بیٹا؟ تمہارے بہنوئی نے ہمیں تباہ کر دیا۔ پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی رچائی۔

بصیر:۔ ہیں؟

جمیل :- کیا یہ سچ ہے ؟

عائشہ :- (روتی ہوئی) اور نہیں تو کیا جھوٹ ہے؟ ثروت نے مجھے سب حال کہہ سنایا ہے۔ کم بخت نے بیچاری سے بدسلوکی کی سو الگ۔ ہائے اس کا ستیاناس ہو۔ خدا اسے ذلیل کرے۔ دُنیا اور عاقبت میں اس کا مُنہ کالا ہو۔

بصیر :- یہ کیسی بے انصافی ہے۔ میں اسے اس کمینہ پن کا مزا چکھاؤنگا۔ اور اس کی ساری افسری خاک میں ملادونگا۔

عائشہ :- تمہیں اپنی زمینداری مقدموں کے لالچ نے اندھا کردیا۔ اور تم نے مظلوم بچی کی عمر برباد کردی۔ بتاؤ تو اس نے کتنے مقدموں میں تمہاری مدد کی؟ اور تمہارے بیٹے کو کونسی نوکری دلوائی؟ نصیبوں پیٹی بچی۔ اب بیٹھی اپنی قسمت پر رویا کریگی۔

جمیل :- مجھے اس حادثے کا سخت رنج ہے۔ ابا جان اب کیا کرنا چاہیئے۔

بصیر :- تم ماں بیٹیاں اندر چل کر بیٹھو۔ ہم آپس میں صلاح مشورہ کرینگے۔ اس ملعون خاندانی کی ایسی تیسی۔

عائشہ :- اب صلاح مشورہ سے کیا خاک ہوگا؟ جو ہونا تھا سو ہوچکا۔ آؤ بیٹی۔ غم نہ کھاؤ۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ (روتی ہوئی جاتی ہیں)

جمیل :- مسعود کا رویہ کس قدر قابلِ نفرت ہے۔ ابا آپ دُنیا بھر

کے مقدمے کرتے اور جھگڑے نپٹاتے پھرتے ہیں۔ کیا ثروت کے معاملہ میں کوئی مقدمہ نہیں کر سکتے؟

بصیر:۔ کیوں نہیں؟

جمیل:۔ ذرا سوچنے کی بات ہے۔ کس بناء پر؟

بصیر:۔ طلاق اور اعادہ حقوق زناشوئی کی بناء پر۔

جمیل:۔ مگر ان حالتوں میں تو طلاق کا اختیار محض خاوند کو ہوتا ہے۔ اگر وُہ طلاق نہ دے تو؟

بصیر:۔ شرع کی رو سے عورت کو نکاح کے منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

جمیل:۔ مگر پہلے اس معاملہ میں ثروت سے بھی مشورہ کر لینا ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ وُہ مسعود کے مظالم کے باوجود نکاح کو منسوخ کرانا نہ چاہے۔ اگرچہ بظاہر اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔

بصیر:۔ تمہاری رائے درست ہے۔

جمیل:۔ ثروت کی آئندہ زندگی کو خطرات اور شبہات سے بچانے کے لئے مناسب ہے۔ کہ فوراً بدسلوکی اور بدچلنی کی بناء پر تنسیخ نکاح کا دعوٰے دائر کیا جائے۔

بصیر:۔ میاں تم لقمان کو حکمت کیا پڑھا رہے ہو؟ میں سب کچھ سمجھتا ہوں۔ تمام عمر اسی کوچے کی سیر کی ہے۔ یہ

دعوے زیر دفعہ ۴۰۸ ضابطہ فوجداری مجسٹریٹ کی عدالت میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ نہیں تو دس ہزار کے حق مہر کا دعوے ہو سکتا ہے۔ اس رقم کی ڈگری ہو جانے پر میاں مسعود کی قرقی اور گرفتاری تک عمل میں آسکتی ہے۔ کہاں کے افسر بنے پھرتے ہیں۔ میں اس کی افسری کے پرخچے اڑا دونگا۔ وہ بھی کیا یاد رکھیگا۔ کہ کسی راجپوت سے سابقہ پڑا تھا۔

جمیل :- پھر بھی قانونی مشورہ کر لینا ضروری ہوگا۔

نصیر :- تمہارے چچا بشیر جو گھر کے وکیل ہیں۔ تم ذرا گھوڑے تیار کرواؤ۔ غازی پور چل کر ان سے بات چیت کرینگے۔

جمیل :- ہاں ابھی چلنا چاہئے +

(دونو جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ دوسرا سین

(راستہ - ایک طرف سے کلن سودا سلف کا بقچہ اٹھائے داخل ہوتا ہے - دوسری طرف سے رمضانی سامنے سے میلے کچیلے لباس میں آتا ہے)

کلن :- (مسکراتے ہوئے) ماں رمجانی (رمضانی) سلام علیکم۔
ہرے آر (یار) تو تو عید کا چاند ہی ہو گیا۔

رمضانی :- وعلیکم السلام کلن - کلن -

کلن :- کہو دوست مجاز (مزاج) کیسے ہیں؟

رمضانی :- شکر ہے خدا کا - کلن! تو اچھا ہے؟ (زمین پر بیٹھ جاتا ہے - اور سگرٹ نکالتا ہے - کلن کو بھی دیتا ہے - کلن پاس بیٹھ جاتا ہے - دونو سگرٹ پیتے ہیں)

کلن :- بڑے مجے ہیں -

رمضانی :- کہاں سے آرہا ہے؟

کلن :- صاحب کے گھر کا سودا سلف لے کر باجار (بازار) سے چلا آرہا (رہا) ہوں - تو اب کہاں رہتا ہے - کیا کاروبار

ہے؟

رمضانی :- ابھی تک بے کار ہوں۔

کلن :- ماں یار تو نوکری چھوڑ کر چلا گیا۔ جب تو ہمارے سنگ تھا۔ تو آپس کا دُکھ سُکھ مل کر بانٹ لیتے تھے۔ اب تو ہم اکیلے ہی جوُتیاں چٹخاتے ہیں۔

رمضانی :- چل بے چوٹے کہیں کے۔ ہمیں سے مذاق کرتا ہے۔ ابے تیرا سر سلامت رہے۔ تو جُوتیوں کی کیا کمی ہے۔

کلن :- ماں یار مخزبز (مذاق) مت کر۔ کبھی تو نے زلد بازی (جلد بازی) سے کام لیا۔ ارے یار مالک کھفے (خفا) ہوا ہی کرتے ہیں۔ جوتے بھی کھائے تو کیا ڈر ہے۔

رمضانی :- نا کھئی ہم جوتے خور نہیں بننا چاہتے۔ جتنے جوتے کھا چکے سو کھا چکے۔ اب تو ہم وہی جوتے اٹھا کر تیرے مالک کے رسید کرینگے۔ ابے ہمیں کسی کی کیا پرواہ ہے؛ ہم لکھے پڑھے آدمی ہیں۔ مڈل پاس ہیں۔ آج نہیں کل کہیں نہ کہیں اردلی نہیں تو دفتری کی نوکری تو مل ہی جائیگی۔

کلن :- ماں رہن دے یار۔ نوکری ووکری آجکل کہیں نہیں ملتی۔ میں نے کیا (کہا) رمجانی۔ تو لوٹ کر آجا۔ صاحب سے مل ملا کر منت کرینگے۔ اور تو اپنی جنگھہ (جگہ) پر پھر کے سے کام کرنے لگ جائیو۔

رمضانی :۔ تیرے مالک کی ایسی تیسی ۔ مجھے اس اٹھائی گیرے کی کیا پروا ہے ۔ افسر ہوگا ۔ تو اپنے گھر میں ۔ مَیں تو اب اس سے بدلہ لونگا ۔

کلن :۔ ارے یار ایسامت کیجئیو ۔ تو ہی پٹ جائیگا ۔ ا پھسر (افسر) کے ساتھ لپھٹم لپھٹا کرنا ٹھیک نہیں ۔ کہاں راجہ بھوج کہاں گانگڑا تیلی ۔ اگر حلالی ہے تو میرا کہا مان ۔ اور لوٹ کر آجا ۔ ورنہ پچھتائیگا ۔

رمضانی :۔ ابے چل ! نمک حلال بن کر آیا ہے کہیں کا ۔ جا تو اپنے مالک کے گن گا تا رہ ۔ میری بیزار آتی ہے ۔ اب اس کے یہاں ۔

کلن :۔ تو کرے گا کیا ؟

رمضانی :۔ جو میرے جی میں آئیگا ۔ سو کرونگا ۔ تجھے کیوں بتاؤں ؟ تو ابھی جا بھانڈا پھوڑ دیگا ۔

کلن :۔ قسم لے لے ۔ جو میں کہیں کسی سے بات بھی کردوں ۔ بتا تو سہی اب تیرا ارادہ کیا ہے ؟

رمضانی :۔ ابے تیرے جبسوں کا کیا اعتبار ؟ ابھی جا کر مرزا سے ایک ایک کی دس دس لگا دے گا ۔ تو ٹھہرا بڑا حلالی آدمی ۔ میں اپنے ارادے تجھ پر ظاہر کردوں ۔ تو میرا کام ہی بگڑ جائے ۔ جا تو اپنا کام کر ۔ ہمیں اپنے حال پہ چھوڑ ۔

کلن :- ہاں رہن دے یار۔ کیا ہم ایسے ہی کھراب (خراب) آدمی ہیں۔ یہ تو بتا۔ کہ کدی (کبھی) پہلے بھی تیری کوئی بات کسی سے کہی۔ کھا مکھا (خواہ مخواہ) ہم کو مت دھمکایا کر۔

رمضانی :- کلن! گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ مجھے اپنی محنت کا جو انعام ملا۔ اس سے کئی گُنا نفع تیرے مالک کو مل جائیگا۔ خیر چھوڑ اس قصّے کو۔ تیرے مرزا کی نئی بیوی کا کیا حال ہے؟

کلن :- ارے یار کیا پوچھتا ہے؟ صاحب کا مُنہ جھلس کر چلدی۔

رمضانی :- کیوں کیا ہوا؟ آخر بتا تو سہی؟

کلن :- ساحر (شاعر) نے کہا ہے نا کہ ع

کرنے گئے جو عشق پڑیں کھوب (خُوب) جُوتیاں

رمضانی :- ابے کھل کر بات کر۔ چوٹا کہیں کا۔

کلن :- ہاں یار۔ تیرے ہوتے ہی تو وہ میکے میں گئی تھیں نا؟ اور پہلی بیگم آئی تھیں؟ تب سے نئی بیگم نہیں آئی۔ اور اب پہلی کا کھر کے سے راج ہے۔ یہ ہے نقسہ۔ (نقشہ) سنا؟

رمضانی :- اور مرزا نے بلوایا بھی نہیں کیا؟

کلن :- نہیں۔ میرے کو مالم دیتا ہے۔ جرور (ضرور) کچھ دال میں کالا ہے۔ دو لگا ئیوں کا بھی بڑا لفط (لُطف) ہے۔ ایک روٹھی۔ تو دوسری موزود ہے (موجود ہے) ارے

یار ہمیں تو اب تک ایک بھی نہیں ملی۔

رمضانی :۔ ارے جورو کرکے خواہ مخواہ مصیبت میں پھنسے گا کیا؟ ہم تم یونہی اچھے ہیں۔ اپنا آزادی سے کھایا پیا۔ جہاں جی چاہا۔ بیٹھے اٹھے۔ تیرے گھر میں جورو ہوتی۔ تو اب تک میرے پاس بیٹھا ہوتا کیا؟

کلن :۔ ہاں رہن دے یار۔ مجھے بھی بہت دیر ہو گئی۔ اب چلنا چاہیئے۔ بیگم گھر میں سودے کی راہ دیکھ رہی ہونگی۔ سلام علیکم۔

رمضانی :۔ وعلیکم السلام (کلن جاتا ہے) (علیحدہ) ہوں!۔ یہ نقشہ ہے گھر کا۔ ایک داؤں تو چل گیا۔ بی کلثوم نے اپنا رنگ جما لیا۔ چلو اچھا ہوا۔ موزی کو ڈھیل دے کر مارنا چاہیئے۔ ذرا اسے ستالینے دو۔ اب دوسرا داؤں کرونگا۔ (اُٹھ کر جانے لگتا ہے۔ سامنے سے جمیل آتا ہے)

جمیل :۔ اوہو۔ میاں رمضانی۔ تم کہاں؟

رمضانی :۔ آداب و نیاز۔ چودھری صاحب۔ مزاج شریف؟

جمیل :۔ اللہ کا فضل و کرم ہے۔ کہو تم کیسے ہو؟

رمضانی :۔ حضور کے جان و مال کو دعا دیتا ہوں۔ ہفتہ عشرہ سے بیکار ہوں۔ مسعود میاں نے مجھے نوکری سے علیحدہ کر دیا ہے۔

جمیل :۔ کس خطا پر؟

رمضانی :۔ میرا کوئی بھی قصور نہ تھا۔ آئے دن بلا وجہ بد زبانی اور مار پیٹ پر نوبت آنے لگی۔ آخر میں بھی انسان ہوں۔ اس بدسلوکی کے باعث میں نے فریاد کی۔ انہوں نے دھکا دے دیا۔

جمیل :۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ تم پر تو انہیں بڑا بھروسہ تھا۔

رمضانی :۔ حضور کچھ نہ پوچھئے۔ یہ افسری کا بھوت جس کے سر پر سوار ہو جائے۔ اُسے خوب ہی ناچ نچاتا ہے۔ حضور ان کی بدسلوکی بہت بڑھ گئی تھی۔ بیگم صاحبہ ہی کو لیجئے۔ کیا فرشتہ عورت ہیں! انہیں کے ساتھ جو یہ سلوک کیا۔ تو پھر ہم نوکر چاکر کس شمار میں ہیں؟

جمیل :۔ (آہ بھر کر) تم سچ کہتے ہو۔

رمضانی :۔ حضور کو معلوم ہی ہے۔ آپ خود یہ ظلم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ کیا بیگم صاحبہ ابھی میکے ہی میں ہیں۔ یا لوٹ کر سسرال آگئیں؟

جمیل :۔ ابھی تک میکے ہی میں ہیں۔ دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔

رمضانی :۔ مجھے ان کی اس حالت کا سخت رنج ہے۔ تو اب کیا کیجئے گا؟ فرمایئے میں کچھ خدمت کر سکتا ہوں؟

جمیل :۔ رمضانی تم اتفاق سے مل گئے۔ مجھے تمہاری امداد کی سخت ضرورت ہے۔

رمضانی:- میں ہر ممکن خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

جمیل:- یہ تو تم خود ہی کہہ رہے ہو۔ اور گھر میں رہ کر دیکھ چکے ہو۔ کہ مرزا مسعود نے میری ہمشیرہ پر سخت ظلم کیا۔ پہلی بیوی کی موجودگی میں شادی کی اور خود تم شادی کا پیغام لے کر آئے۔

رمضانی:- حضور مجھ سے سخت نادانی ہوئی۔ اس کے لئے شرمسار ہوں۔ اور سزا کے قابل ہوں۔ تابع فرمان ہونے کی حالت میں ان کا حکم ماننا میرا فرض تھا۔ اگر میں ان حالات سے آگاہ ہوتا۔ تو شاید ان کے حکم کی بجا آوری میں تامل کرتا۔

جمیل:- خیر اس شرمساری کو تو رہنے دو۔ ہماری بھی غلطی تھی۔ کہ ہم نے دیکھ بھال نہ لیا۔ ہاں میں کہہ رہا تھا۔ کہ مرزا مسعود نے میری ہمشیرہ پہ سخت ظلم کیا۔ اب وہ میکے میں ہیں۔ اور اب ہم انہیں مرزا کے یہاں نہیں بھیجیں گے۔ کیا میں اس معاملے میں تمہیں اپنا رازدان بنا سکتا ہوں؟

رمضانی:- میں آپ کا راز کبھی افشا نہ کرونگا۔

جمیل:- کیا تم قسم کھاتے ہو؟

رمضانی:- میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں۔ کہ میں اس خدمت کے لئے آمادہ ہوں۔

جمیل:- تو سنو۔ ابا جان کا ارادہ ہے۔ کہ مرزا پر تنسیخ نکاح کا مقدمہ دائر کیا جائے۔ کیا تم مرزا کی بدسلوکی کی شہادت دینے کے

لئے تیار ہو؟

رمضانی :- بسر و چشم - آپ ضرور دعوے کیجئے - اور اس میں شہادت دینے کے علاوہ میں اپنی ایک علیحدہ نالش فوجداری دائر کرونگا - بشرطیکہ آپ مجھے مالی امداد دیں -

جمیل :- تم کس بات کی نالش کروگے -

رمضانی :- میں ایک تو ہتک عزت اور مار پیٹ کی نالش کرونگا - دوسرے چھ ماہ کی تنخواہ کا دعوےٰ کرونگا -

جمیل :- ہم تمہیں امداد دینگے -

رمضانی :- ہمارا معاملہ اس وقت واحد ہے - آپ مجھ پر پورا اعتماد کریں -

جمیل :- مجھے تم سے ایسی ہی توقع تھی رمضانی ! تم تیار رہنا - ہفتہ عشرہ کے اندر اندر دعوےٰ دائر کر دینگے - ذرا میرے ساتھ میرے چچا بشیر علی خاں صاحب وکیل کے یہاں چلو - ابا جان بھی وہیں منتظر ہونگے -

رمضانی :- تشریف لے چلیئے -

{ دونو جاتے ہیں - پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ تیسرا سین

(ایک ہفتہ کے بعد۔ وقت سہ پہر کا)

(مسعود کا مکان۔ مسعود اور کلثوم پاس پاس بیٹھے ہیں۔
کلثوم کوچ پر بیٹھی سلائیوں سے موزے بن رہی ہے مسعود کچھ لکھ رہا ہے)

کلثوم:۔ میں نے تمہیں جو تجویز بتائی ہے۔ اسی پر عمل کرنا۔

مسعود:۔ سمجھ گیا۔

کلثوم:۔ مگر تم اس پر عمل نہیں کروگے۔

مسعود:۔ (قلم رکھ کر) کیوں؟ تم نے کیسے جانا؟

کلثوم:۔ ایک نہ ایک دن تمہیں اس کی یاد ضرور ستائے گی۔ اور ابھی پھر نظر دل میں کھٹکنے لگوں گی۔

مسعود:۔ نہیں کلثوم اب یہ نہ ہوگا۔ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہوجائے۔ اب اس گنوارنی کی طرف توجہ نہیں کرونگا۔

کلثوم:۔ ابھی اسے میکے میں رہنے دو۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا۔

تو دیکھا جائیگا ۔

مسعود :۔ (گہری سوچ میں) ہاں دیکھا جائیگا ۔

کلثوم :۔ خاموش کیوں ہوگئے کیا پھر اس کی یاد آئی ؟

مسعود :۔ نہیں ۔

کلثوم :۔ تو پھر ؟

مسعود :۔ (پہلو بدل کر) کچھ نہیں کلثوم ۔

کلثوم :۔ (قریب آکر) کیا خیال آیا ؟ مجھے بتاؤ ۔ آخر مجھ سے کیا پردہ داری ہے ؟

مسعود :۔ کچھ ہو تو بتاؤں (مسکرا کر) کچھ بھی نہیں کلثوم ۔

کلثوم :۔ اگر خفا نہ ہو ۔ ایک بات کہوں ؟

مسعود :۔ ہاں ہاں ۔ کہو ۔

کلثوم :۔ تم نے ایک بہت بری حرکت کی ۔ کہ رمضانی کو مار کر نکال دیا ۔ پرانا نوکر اور گھر کا رازداں تھا ۔

مسعود :۔ اس پر لعنت بھیجو ۔ خس کم جہاں پاک ۔

کلثوم :۔ اگر اس نے رازداری سے الٹا فائدہ اٹھانا شروع کیا تو ہماری بڑی بدنامی ہوگی ۔

مسعود :۔ کچھ پرواہ نہیں ۔ نوکروں کو سر چڑھانا نہیں چاہئے ۔ اور اگر وہ گستاخی اور نازیبا حرکات پر اتر آئیں تو کبھی نہیں

گھر میں نہ رکھنا چاہیئے۔

کلثوم:۔ لیکن اگر اسے رخصت ہی کرنا تھا۔ تو اچھے طریق پر کرتے۔ اس کی تنخواہ ضرور دے دینی چاہیئے تھی۔

مسعود:۔ دیکھا جائیگا (کلن چند خطوط لئے آتا ہے اور دروازے میں کھڑا رہتا ہے)

کلن:۔ ڈاک ہے ہجُور (حضور)

مسعود:۔ لے آؤ۔ میز پر رکھ دو (کلن ڈاک میز پر رکھ دیتا ہے) چلے جاؤ۔

کلن:۔ سرکار باہر دیوان خانہ میں کوئی صاحب ملنے آئے ہیں۔

مسعود۔ کون ہیں؟

کلن:۔ نام تو نہیں مالم سرکار۔ کوئی باہر کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔

مسعود:۔ جا کر نام اور کام پوچھ کر آؤ (کلن جاتا ہے) مسعود ایک لفافہ کھول کر پڑھتا ہے۔ اس کا چہرہ متفکر ہونے لگتا ہے)

کلثوم:۔ کیوں خیریت تو ہے؟ کس کا خط ہے؟

مسعود:۔ اسی ناپاک رمضانی کا تنخواہ کا نوٹس۔ بدمعاش۔ ہتک عزت کی فوجداری نالش کی بھی دھمکی دیتا ہے۔

کلثوم:۔ دیکھا میں نہ کہتی تھی کیا؟ ابھی وقت ہے۔ اسے

واپس بلوالو۔ اور رام کرلو۔

مسعود:۔ ہرگز نہیں۔

کلثوم:۔ میں پھر کہتی ہوں۔ عزت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ سرکاری لوگوں سے تم ویسے ہی کم ملتے جلتے ہو۔ اور لوگوں میں تمہاری دوسری شادی کا پہلے سے چرچا ہو رہا ہے۔ اگر عدالت میں جانا پڑا۔ تو رہی سہی آبرو پر دھبہ لگ جائیگا۔ میرا کہا مانو۔ کلن کو بھیجکر اسے بلوالو۔ اس کی تنخواہ اس کے حوالے کرو۔ اپنے آپ سیدھا ہو جائیگا۔

مسعود:۔ میں اسے قرار واقعی سزا دینا چاہتا ہوں۔ اگر یوں اسے بلوایا تو میری کمزوری سمجھی جائیگی (کلن آتا ہے)

کلن:۔ ہجور! وہ صاحب کوئی بکیل (وکیل) ہیں ابھی نام بتایا تھا۔ (سوچکر) بھلا سا نام ہے۔ کیا؟

مسعود:۔ کیا بکتا ہے؟

کلن:۔ ہاں ہجور بسیر علی (بشیر علی) کہتے ہیں۔ کہ آپ سے کچھ جروری (ضروری) کام ہے۔ ہجور میاں جمیل بھی ساتھ ہیں۔

مسعود:۔ بلالاؤ۔ (کلن جاتا ہے) کلثوم! تم ذرا اندر چلی جاؤ۔ (جاتی ہے۔ بشیر علی وکیل اور جمیل آتے ہیں)

بشیر علی:۔ آداب عرض ہے۔ جناب!

مسعود:۔ (اُٹھکر ہاتھ ملاکر) آداب۔ تشریف لائیے۔ (دونو

بیٹھتے ہیں، کہئے اس وقت کیسے تشریف لانا ہوا؟

بشیر:- آپ کے اوقات گرامی میں مخل ہونے کی معافی چاہتا ہوں۔
قانونی حیثیت سے تو ضروری نہ تھا۔ کہ میں یہاں
آؤں۔ البتہ دوستانہ اور نیازمندانہ حیثیت سے
میرا فرض تھا۔ کہ میں آپ کو اس معاملے کے متعلق
ضروری مشورہ دوں۔ جس کا گہرا تعلق خاص آپ ہی
کی ذات سے ہے۔

مسعود:- فرمایئے۔ ایسا کیا معاملہ ہے؟

بشیر:- میرے بھائی اور مؤکل چوہدری بصیر علی خاں نے آپ کے
ساتھ اپنی لڑکی کے نکاح کی تنسیخ کے متعلق آپ پر مقدمہ
دائر کرنے کے لئے مجھے اور مسٹر ہرجس رائے بیرسٹر کو اپنا قانونی
مشیر مقرر کیا ہے۔ پیشتر اس کے کہ یہ معاملہ اٹھایا
جائے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ عدالت میں جانے کے
بغیر آپس میں مل کر فیصلہ کر لیا جائے۔ آپ کی ذات
بابرکات کے ساتھ میرے ذاتی تعلقات مجھے مجبور
کرتے ہیں۔ کہ میں آپ کو بدنامی سے بچاؤں۔ اور
آپ کو وہ مشورہ دوں۔ جس سے آپ کی ذات پر
کوئی حرف نہ آئے۔

مسعود:- نکاح کی تنسیخ کا مقدمہ؟ مجھ پر؟ بصیر خاں کی طرف

سے ؟

بشیر :- جی ہاں -

مسعود :- مجھے ایسے مقدموں کی کیا پرواہ ہے - اسے مقدمہ چلانے دو - آپ بے شک اس کے پیروکار بن جائیں - کس نے روکا ہے ؟

بشیر :- یہ تو بجا ہے - لیکن آپ اپنی افسرانہ حیثیت میں لوگوں کو کیا منہ دکھائینگے ؟

مسعود :- وکیل صاحب - ایسا مقدمہ چل ہی کب سکتا ہے - کیا مسلمانوں میں دو نکاح ناجائز ہیں ؟

بشیر :- جائز ہیں -

مسعود :- تو نکاح کی تنسیخ کیسے ہو سکتی ہے - اگر میں نہ چاہوں تو ؟

بشیر :- آپ مختار ہیں - لیکن دعوے محض اسی پر ختم نہیں ہو جاتا - اعادہ حقوق زناشوئی کے بحال کرنے کا بھی سوال درپیش ہے نا ؟

مسعود :- اس کی ضرورت ہی نہیں - بصیر خاں کی لڑکی کو میرے گھر میں بیوی کی حیثیت سے رہنے کا حق حاصل ہے - جس سے مجھے انکار نہیں -

بشیر :- بجا ہے - لیکن میرے مؤکل اور اس کے گھر والوں کو آپ کی طرف سے بدسلوکی اور بے انصافی کی بھی شکایت ہے -

جس کی بنا پر یہ دعوے دائر ہو سکتا ہے۔

مسعود:۔ اس کا ثبوت؟

بشیر:۔ آپ کی خوشدامن (بصیر خاں کی بیوی) اور آپ کے سالے جمیل نے یہاں ایک مرتبہ آکر خود اس بدسلوکی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سُنا۔ کیوں جمیل ٹھیک ہے؟

جمیل:۔ بالکل درست۔

مسعود:۔ یہ محض بہتان ہے۔

جمیل:۔ ہرگز نہیں۔

بشیر:۔ بہر حال جو کچھ بھی ہُوا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس وقت آپ کی پوزیشن خطرے میں ہے۔ کیا آپ میں اور آپ کی نئی زوجہ میں نکاح کے وقت تنسیخ نکاح کا کوئی معاہدہ ہُوا تھا؟

مسعود:۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہُوا۔

بشیر:۔ مگر میرے موکل نے مجھے بتایا۔ کہ ایسا معاہدہ ہُوا۔ اور ضرور ہُوا۔

مسعود:۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟

بشیر:۔ آپ کا ملازم رمضانی اس کی شہادت دینے کو تیار ہے۔

مسعود:۔ یہ محض لغو ہے۔ رمضانی سراسر جھوٹا ہے۔ اش

قریبی کہیں کا۔
جمیل :۔ رمضانی کا بیان بالکل صحیح ہے۔
مسعود :۔ تمہیں اس معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔
جمیل :۔ مجھے ہر طرح حق حاصل ہے۔
بشیر :۔ بحث مت کیجیئے۔ میری گذارش ہے۔ کہ عدالت تو گواہ کے بیان کو تسلیم کر کے اسی کی بنا پر فیصلہ کریگی۔ بہر حال یہ فرض کرتے ہوئے کہ ایسا معاہدہ ہوًا۔ تو اس صورت میں دعوے دائر ہونے پر عورت عدالت کے ذریعے نکاح کو منسوخ کرا سکتی ہے۔ اور عدالت کا فیصلہ صادر ہونے پر عورت کو سند حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ نکاح حسب ضابطہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو بھی معاملہ لوگوں کی چہ میگوئیوں کا ہدف بنا رہیگا۔ میں نے اپنے مؤکل کو سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ وہ آپ کو ملامت کا نشانہ نہ بنائے۔ لیکن وہ پرلے درجے کا ضدی اور جھگڑالو واقع ہوًا ہے۔ اور وہ مقدمہ دائر کیئے بغیر نہ رہیگا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ وہ نکاح کو منسوخ نہ کرائے۔ لیکن وہ نہیں مانتا۔ منجملہ دوسری وجوہات کے اس کے پاس ایک زبردست وجہ یہ ہے۔ کہ آپ نے نہ صرف اس کی بیٹی پر مظالم کیئے۔ اور اس کے محسوسات کو گزشتہ چھ ماہ سے سخت صدمہ پہنچایا۔ بلکہ اس باعصمت لڑکی پر بدچلنی کا جھوٹا الزام لگا کر آپ نے اسے بے عزت کیا اور

گھر سے نکال دیا۔

مسعود :- جھوٹ سراسر جھوٹ۔

جمیل :- (جوش سے) اس کا حرف حرف درست ہے میں یہ باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔

بشیر :- جمیل تم خاموش رہو۔ ہاں تو آپ کی زوجہ کا یہ بھی بیان ہے کہ نہ صرف آپ کی پہلی بیوی موجود تھیں جنہیں آپ نے علیحدہ کر رکھا ہے۔ بلکہ [illegible] سے آپ نے انہیں گھر میں بلوا کر پہلے اسے اپنی بھاوج ظاہر کیا۔ پھر آپ کا راز دوسری زوجہ پر ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد آپ کی اور پہلی زوجہ کی طرف سے لگاتار بدسلوکی ہوتی رہی۔ اور آپ نے بالقول رمضانی اپنی دوسری زوجہ کو گھر سے نکالنے کے وقت اسے زدوکوب بھی کیا۔ ایسی صورت میں بموجب مسئلہ لعن عورت کو عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری لینی پڑی ہے۔ تاکہ آیندہ کے لئے معاملہ مشکوک نہ رہے اور مطلع صاف ہو جائے۔ ملاحظہ کیجئے دفعہ ۴۲ ضابطہ فوجداری۔ آپ نے غور فرمایا؟

مسعود :- میں سُن رہا ہوں۔ آپ کہتے جائیں۔

بشیر :- اس میں کلام نہیں کہ بعض ہائی کورٹوں کا فیصلہ ہے۔ کہ اگر لعن کی بناء پر تنسیخ نکاح کا دعوےٰ دائر ہونے کے وقت خاوند ابتدا ہی سے اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اپنے جھوٹے الزام کو واپس لے۔ تو نکاح منسوخ نہیں کیا جانا چاہیئے۔ لیکن آپ اس جھگڑے میں پڑیں ہی کیوں؟ آپ کا ملازم رمضانی اس

معاملے میں بڑا سرگرم ہے۔ اس نے مجھ سے ایک اور بات بھی بیان کی۔ جسے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

مسعود:۔ نہیں نہیں۔ کہیئے۔

بشیر:۔ جمیل تم ذرا باہر چلے جاؤ (جمیل جاتا ہے) وُہ یہ کہ آپ نے یہ نکاح محض عیاشی کی غرض سے کیا نہ کسی اور نیّت سے۔ اس کے پاس اپنے بیان کے اور بھی ثبوت ہیں۔

مسعود:۔ (خوف زدہ ہو کر) تو آپ بحیثیت دوست مجھے کیا مشورہ دینگے؟

بشیر:۔ میں نے ضروری قانونی امور آپ کے گوش گزار کر دیئے۔ جن کی بنا پر یہ مقدمہ عدالت میں چل سکتا ہے۔ طول طویل بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ مختصراً میری رائے یہ ہے۔ کہ چونکہ معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے۔ کہ آپ کے اور دوسری اہلیہ کے درمیان ان بن ہے۔ اور اب اس کا آپ کے ہاں رہنا محض اس کی زندگی اور جوانی کو برباد کرنا ہے۔ اس لئے انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ کہ آپ نہ تو اسے علیحدہ کر کے اس کے نان و نفقہ کا خرچ اُٹھانے کی تکلیف کریں۔ اور نہ اسے گھر میں رکھ کر اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں اسے ذلیل کریں۔ بلکہ مذہب نے ایسی صورت میں طلاق کا سیدھا اور صاف راستہ تجویز کر دیا ہے۔ جس سے ایک طرف تو خاوند اپنی بدمزگیوں سے نجات پاتا ہے۔

اور دوسری طرف عورت کی عمر تباہی سے محفوظ رہتی ہے۔

مسعود:۔ لیکن طلاق دینے میں حق مہر کا سوال آپڑتا ہے۔

بشیر:۔ حق مہر دس ہزار ہے کیا؟

مسعود:۔ جی ہاں۔

بشیر:۔ طلاق دینے کی صورت میں تو یہ آپ کو ادا کرنا ہی پڑیگا۔

مسعود:۔ اف! اتنی رقم۔

بشیر:۔ لیکن عزّت اس سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ اچھا تو اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ آپ میرے اس مشورے پر غور کر کے کل تک مجھے مطلع فرمائیے۔ تاکہ عدالت تک جانے کے بغیر یہ معاملہ صلح اور صفائی کے ساتھ طے ہو جائے۔ آداب۔

مسعود:۔ تسلیم۔ (بشیر جاتا ہے۔ مسعود گہری سوچ میں کھڑا ہے۔ کلثوم آتی ہے)

کلثوم:۔ (مسعود کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) میں نے تمہاری اور وکیل صاحب کی سب گفتگو سُنی۔ اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔

مسعود:۔ ضرور کہو پیاری۔ مجھے اس وقت تم جیسی ایک سچی اور ہمدرد اور غمگسار مونس کی ضرورت ہے۔

کلثوم:۔ میں خود غرضی کی بنا پر نہیں۔ بلکہ نیک نیتی سے کہتی ہوں کہ وکیل صاحب کا مشورہ بالکل درست ہے۔ تم ثروت کو طلاق دیدو۔ بدنامی سے نجات پاؤ گے۔ اور عزّت کیساتھ زندگی بسر

کر سکو گے۔

مسعود:۔ حق مہر کی رقم کہاں سے ادا کروں میں تو پہلے ہی مقروض ہو رہا ہوں۔

کلثوم:۔ اس کا کچھ فکر مت کرو میرے پاس ۴ ہزار کی رقم پس انداز کی ہوئی موجود ہے۔ باقی انتظام تم خود کرو۔ اور قرض لو یا کچھ محنت کرو۔ غرض اپنی عزت بچاؤ اور طلاق دینے سے پہلے مضافی کا حقِ خدمت ادا کرو۔ اور صبح ہوتے ہی وکیل صاحب کو بلوا کر کہدو۔ کہ تم ان کے مشورے پر عمل کرو گے۔

مسعود:۔ ذرا مجھے باقی خطوط دیکھ لینے دو۔ پھر غور کرونگا (ایک سرکاری لفافہ اٹھا کر کھولتا اور پڑھتا ہے) (ماتھا پیٹ کر) افسوس مصیبتیں کبھی تنہا نہیں آتیں۔ (اٹھ کر ٹہلتا ہے)

کلثوم:۔ کیوں کیا ہوا۔

مسعود:۔ افسر اعلیٰ کی چٹھی ہے۔ کہ رشوت لینے اور فرائض کی کوتاہی کی سزا میں مجھے معطل کر دیا گیا۔ اور سرکاری طور پر جواب طلب کیا گیا ہے۔ کہ میرے خلاف کیوں قانونی کارروائی نہ کی جائے۔

کلثوم:۔ (سرنگوں ہو کر) افسوس۔

مسعود:۔ کلثوم! میں اب کسی کو کیا منہ دکھا سکتا ہوں (اچانک میز کی دراز سے پستول نکال کر اپنے سر کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ کلثوم لپک کر ہاتھ پکڑ لیتی اور پستول چھین لیتی ہے)

کلثوم :- زندگی خُدا کی ایک پاک امانت ہے۔ اسے ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ حوصلہ مت ہارو۔ خُدا پر بھروسہ رکھو۔ وُہ کارساز ہے۔

مسعود :- افسوس کہ عیش و عشرت کی زندگی نے مجھ سے خود کشی کی طاقت بھی چھین لی۔ کلثوم! تُم میرے حق میں ایک رحمت کا فرشتہ ہو (ہاتھ چوم کر) میں اب تمہارے بس میں ہوں۔ جو چاہو کرنے کو تیار ہوں۔

کلثوم :- خُدا کی یاد کو دل سے مت بھلاؤ۔ آج سے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ لو آؤ۔ اندر چلو۔ کھانا تیار ہے (ہاتھ پکڑ کر لے چلتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ۔ چوتھا سین

چار ماہ کے بعد

(بصیر خاں کا مکان۔ عائشہ چرخہ کات رہی ہے۔ ثروت پاس بیٹھی سلائی کر رہی ہے۔ جمیل اخبار دیکھ رہا ہے۔ بصیر خاں حُقّہ پی رہا ہے)

عائشہ:۔ یہ تو اچھا ہوا۔ کہ طلاق ہی پر معاملہ طے ہو گیا۔ اور حق مہر بھی مل گیا۔ اگر مقدمہ کرنا پڑتا۔ تو معلوم نہیں کب اور کہاں جا کر ختم ہوتا۔

جمیل:۔ اماں جان اگر مقدمہ کیا جاتا۔ تو ایک دفعہ تو مسعود کے ہوش درست ہو جاتے۔

بصیر:۔ بڑے آئے افسر انہار ین کر۔ اجی مَیں اسے چھوڑنے والا تھوڑا ہی تھا۔ میرے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ مَیں جسے ایک دفعہ چمٹ جاؤں۔ اسے کچا ہی چبا کر چھوڑتا ہوں۔ وہ تو دعا دے۔ تمہارے چچا بشیر علی کو کہ انہوں نے خیر خواہی کر کے سمجھا بجھا کر طلاق پر راضی کر لیا۔ ورنہ یہ خر معز ماننے والا تھوڑا ہی تھا؟ اجی ایسے ۳۰۰ افسر مَیں نے ٹانگ تلے نکال دیئے۔

جمیل:۔ اب مل گیا نا نتیجہ، اسے اپنے اعمال کا؟ میاں کو ڈپٹی کلکٹری

سے ضلعدار بنا کر یہاں سے تبدیل کر دیا گیا۔ بے عزتی ہوئی سو الگ۔

بصیر:۔ وہ تو ضلعداری کے بھی قابل نہیں۔ اسے تو نہر کا پٹواری بنانا چاہیئے۔

جمیل:۔ کیا عزت رہی حضرت کی۔ نوکروں کی تنخواہ تک ضبط کرنے کو تھے۔ مگر میاں رمضانی بھی ایک ہی چالاک نکلا۔ تنخواہ کی بحالی کا نوٹس دے کر ہی رہا۔ تنخواہ بھی لی۔ اور ہتک عزت کی دھمکی میں سو روپے مزید ہتھیا لئے۔ اور دعوے واپس لے لیا۔

عائشہ:۔ کس ملعون کا ذکر کرتے ہو۔ اسی رمضانی نے تو یہاں آ کر تمہارے ابا کو سبز باغ دکھلائے۔ اور ناحق میری بچی کی جان کو ہلکان کیا۔ موئے کا ٹا شہدا کہیں کا (ثروت کو پیار کر کے) میری لاڈلی بچی (ثروت اٹھ کر اندر جاتی ہے)

جمیل:۔ اماں جان۔ آپا کی عدت کا زمانہ تو اب ختم ہوا۔ اب کی دفعہ آپ سوچ سمجھ کر اس کار خیر کو اپنے ہاتھ میں لیجئے۔

بصیر:۔ ہاں بھئی اب تم ماں بیٹا جانو۔ ہم اس معاملے میں دخل نہ دینگے (حقہ سنبھال کر جاتا ہے)

عائشہ:۔ بھئی اللہ! تم بھی کیا ذکر لے بیٹھے۔ ابھی تو پچھلے زخم ہی ہرے ہیں۔ اتنی جلدی کرنا مناسب نہیں۔ گھر میں جو رشتے موجود تھے وُہ تو ہاتھ سے گئے۔ تمہارے ماموں اور چچا آس لگا کر تو ڑ بیٹھے۔ اور انہوں نے اپنے لڑکوں کو بیاہ دیا۔ اب

تو اللہ کے آسرے ہی بیٹھے ہیں۔ وُہ آپ رشتوں کا جوڑنے والا ہے۔ کوئی سامان کر دے گا۔

جمیل :۔ ٹھیک ہے اماں جان۔ لیکن آپا کی تجویز جلد ہو جانی چاہیئے۔ میں انہیں زیادہ غمگین دیکھنا نہیں چاہتا۔

عائشہ :۔ کہہ تو رہی ہوں۔ کہ اب کی بار اس معاملے میں جلدی کرنا ٹھیک نہیں۔

جمیل :۔ گستاخی نہ ہو تو عرض کر دوں۔ کہ ایک رشتہ میری نظر میں ہے۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ جلدی کی جائے۔ آپ پہلے حالات دریافت کرلیں۔ پھر فیصلہ کریں۔

عائشہ :۔ کون سا رشتہ ہے؟

جمیل :۔ اشرف خاں غازی پور کے راجپوت ہیں۔ ہمارے ہم قوم ہیں۔ چار سو روپیہ تنخواہ پاتے ہیں۔ ڈپٹی کے عہدہ پر ہیں۔ شریف خاندان ہے۔

عائشہ :۔ نا بھائی۔ ہم ان شہری رشتوں سے باز آئے۔ ہم پہلے ہی خوف کھا چکے ہیں۔

جمیل :۔ آپ کا ارشاد بجا ہے۔ مثل ہے "دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک کر پیتا ہے"۔ لیکن انسان انسان میں فرق ہے۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ میں اصرار نہیں کرتا۔ آپ خود دیکھ بھال لیں۔ میں ذاتی طور پر انہیں

جانتا ہوں۔

عائشہ :- کیا کہیں اس کی بھی پہلی بیوی تو موجود نہیں ؟

جمیل :- پانچ چھ برس ہوئے ان کی شادی ہوئی تھی۔ مگر پچھلے سال بیوی انتقال کر گئیں اور دو بچے چھوڑ گئیں۔

عائشہ :- نا بھیّا۔ ہم ایسی جگہ دیکھے بھالے بنا رشتہ نہیں کرینگے۔ ابھی میری بچی کا پچھلا غم ہی تازہ ہے۔ دیکھا جائیگا۔

جمیل :- آپ کو اختیار ہے اماں جان۔ مگر رشتہ کچھ بُرا نہیں۔

عائشہ :- اگر کوئی اور سبیل نہ ہوئی۔ تو دیکھ بھال کر دونگی۔

جمیل :- آدمی بہت قابل اور نیک سیرت ہیں۔

عائشہ :- تو ایسی کیا جلدی ہے۔ پیغام آنے پر دیکھا جائیگا۔ چلوں ذرا باورچی خانے کی خبر لوں۔ کھانے کو دیر ہو رہی ہے۔

جمیل :- بہتر۔

(دونو جاتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے)

تیسرا ایکٹ پانچواں سین

اشرف کا مکان۔ دو ماہ کے بعد

(اشرف اپنے مکان میں کاغذات کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ثروت کے ساتھ اُس کی شادی ہوئے ایک ماہ ہو چکا ہے۔ ثروت آتی ہے)

اشرف:۔ (اُٹھ کر) آؤ پیاری ثروت۔ بیٹھ جاؤ۔ اندر کیا کر رہی تھیں؟

ثروت:۔ بچوں کی دیکھ بھال۔ ابھی انہیں نہلا دھلا کر ماما کے ساتھ باہر بھیجا ہے۔

اشرف:۔ تم ناحق اس قدر کوفت اٹھاتی ہو۔ ماما جو موجود ہے۔ وہ آپ ہی یہ سب کام کرے گی۔

ثروت:۔ میں اپنے فرض سے کیونکر غافل ہو سکتی ہوں؟ نوکر اپنے آپ تھوڑا ہی کام کرتے ہیں۔ جب تک انسان ان کے سر پر نہ رہے۔

اشرف:۔ میری فرض شناس ثروت! تم تو جواہرات کے

برابر تولنے کے قابل ہو۔

ثروت :۔ شرمندہ مت کیجئے۔ مرد شروع شروع میں ایسی ہی باتیں بگھارا کرتے ہیں۔

اشرف :۔ اور بعد میں ؟

ثروت :۔ بعد میں جب ان کا جی بھر جائے۔ تو بدزبانی پر اُتر آتے ہیں۔

اشرف :۔ اور مار پیٹ بھی کرتے ہیں (قہقہہ لگاتا ہے) میری بھولی بھالی خالف ثروت۔ کیا مجھے بھی مسعود سمجھ لیا ؟ نہیں پیاری تم جیسی سگھڑ بیوی کے ساتھ میری محبت ایک دھیمی رفتار سے دائمی چلنے والی ندی کی مانند ہے۔ جس میں کسی قسم کی طغیانی یا خشکی کا امکان نہ ہو۔ تم ایک قابل قدر خاتون ہو جسے ایک نا اہل میاں کے سپرد کر دیا گیا۔ ایک عیش دوست انسان کسی شریف خاتون کی انتہائی خوبیوں کو کیا سمجھ سکتا ہے ؟ افسوس مسعود نے تمہاری قدر نہ کی۔ لیکن ان گزشتہ واقعات کو بھول جاؤ۔ ثروت ! اب تم اس گھر کی فضا میں میری محبت کی کرنوں سے نئی زندگی حاصل کرو۔ اور ایک پھول کی طرح کھل کر اپنی مشام روح پرور سے اپنے اردگرد تمام فضا کو معطر کرو۔ ہنسو (گدگدی کرتا ہے) خوب ہنسو۔ (ثروت ہنستی ہے) یہ بات۔

ثروت :- دیکھو۔ دیکھو ہمیں مت چھیڑو جی۔
اشرف :- بھائی جمیل نے کئی دن سے شکل ہی نہیں دکھائی۔
ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔
ثروت :- پرسوں ان کے آنے کا وعدہ تھا۔ (جمیل آتا ہے)
جمیل :- آداب عرض ہے بھائی جان! آپا تسلیم!
اشرف :- بھئی واللہ! (اُٹھ کر) بڑی عمر ہے آپ کی۔ ہم ابھی
آپ کو یاد کر رہے تھے (بیٹھتے ہیں) کہو خیریت ہے؟
جمیل :- سب فضل الٰہی ہے۔ آپ کے کیسے مزاج ہیں؟ آپا
جان! آپ اچھی تو ہیں؟
ثروت :- (مسکرا کر) ہم آپ سے نہیں بولیں گے۔ پرسوں کا
وعدہ کر کے آج آنا کہاں کا دستور ہے؟
جمیل :- مکان پر کچھ کام تھا حسب وعدہ نہ پہنچ سکا۔ معاف فرمائیے گا۔
اشرف :- چچا جان اور چچی جان بخیریت ہیں؟
جمیل :- آپ کو دعا دیتے ہیں۔ ابا بھی آج آئینگے۔ بس آتے ہی ہونگے
اشرف :- کسی مقدمے کی پیشی ہوگی۔ ہمارے ہاں تھوڑا ہی آئینگے۔
(ثروت پان دیتی ہے)
جمیل :- یہ ان کا روزمرہ کا شغل ہے۔ آپ واقف ہی ہیں۔ اماں
جان بھی ایک دن کے لئے ان کے ساتھ ثروت آپا سے
ملنے آرہی ہیں۔

اشرف :- خوب ۔ بسر و چشم ۔ خوب رونق ہوگی ۔ اب تو خوش ہو جاؤ
ثروت ۔ ہاں بھائی جان ۔ اب ہم آپ کو رسول پور نہیں جانے
دینگے یہیں رکھیں گے ۔ آپ کے لئے ایک شغل مل گیا ہے ۔
جمیل :- کیا مطلب ؟
اشرف :- مٹھائی کھلواؤ ۔ تو بتاؤں گا ۔
جمیل :- مٹھائی حاضر کر دونگا ۔ آپ بتایئے تو سہی ۔
اشرف :- مبارک ہو ۔ میں نے دفتر میں ایک آسامی کے لئے آپ
کا نام تجویز کر دیا تھا ۔ صاحب بہادر نے منظور کر لیا ہے تین
چار روز تک احکام صادر ہو جائینگے ۔ آپ تیار رہیں ۔ پھر تو
بڑا لطف رہیگا ۔ ع خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو
جمیل :- واللہ !
اشرف :- جی ہاں ۔ آپ کی بہن اُداس ہو رہی تھیں ۔ ان کا دل
بھی بہلتا رہے گا ۔
جمیل :- (کھڑے ہو کر تسلیم کرتا ہے) شکریہ ۔ بے حد شکریہ ۔ میں
بھی بیکاری سے سخت اُکتا گیا تھا ۔ اب آپ کی جان و مال
کو دعا دونگا ۔ (بصیر خاں اور عائشہ داخل ہوتے ہیں)
بصیر خان :- اسلام وعلیکم ۔
اشرف :- (جھک کر آداب کرتا ہے) آداب بجا لاتا ہوں ۔
چچا جان ۔ چچی جان تسلیم ۔

عائشہ :- جیتے رہو بیٹا - ثروت کہاں ہے ؟
ثروت :- یہ رہی اماں جان آداب - ابّا تسلیم -
عائشہ :- جیتی رہو - خیریت سے تو ہو بیٹی ؟
ثروت :- الحمدُللہ (ہنستی ہے)
اشرف :- ابھی آپ کا ذکرِ خیر ہو رہا تھا -
جمیل :- بھائی جان نے ایک خوش خبری سُنائی ہے -
بصیر :- کیا ہے بیٹا - ہمیں بھی سُناؤ ؟
جمیل :- پہلے مٹھائی کھلوائیے -
ثروت :- ہم مٹھائی کے بغیر کبھی نہ سنائینگے -
بصیر :- کیا کوئی مقدمہ جیت آئے ہیں ؟
ثروت :- اونہہ - آپ کو تو لے دے کر مقدمے ہی کی سوجھتی ہے -
عائشہ :- پھر کیا بات ہے ؟ جلد بتاؤ (اشرف و ثروت ہنستے ہیں)
ثروت :- مت بتانا بھائی جان - پہلے مٹھائی کے روپے ان سے رکھوا لیجئے -
جمیل :- ہاں بے شک - لائیے جناب ہمارے روپے -
بصیر :- عجیب بات ہے - کیا ہم پر اتنا بھی اعتبار نہیں ؟
جمیل :- آپ ٹھہرے مقدمہ بازیوں سے دلچسپی رکھنے والے آدمی کہیں کوئی نئی نہ نکال بیٹھیں - نا صاحب پہلے مٹھائی کے روپے دینے ہونگے -

بصیر :- (جیب میں ہاتھ ڈال کر) کتنے روپے چاہئیں ؟

ثروت :- بس دس روپے رکھ دیجئے ۔

بصیر :- میری جیب میں تو اس وقت پانچ روپے ہیں ۔
(پانچ روپوں کا نوٹ دیتا ہے)

ثروت :- (نوٹ لے کر) تو پانچ روپے اماں جان کو دینے ہونگے ۔

عائشہ :- لو بھئی واہ ۔ کیا ہم ایسے ہی بے اعتبارے لوگ ہیں ۔
اچھا تو پانچ روپوں کا اُدھار کر لو ۔

اشرف :- ہاں ٹھیک ہے ۔ مگر چچی جان ہم قرض کے خلاف ہیں (سب ہنستے ہیں)

بصیر :- لو اب کہو ۔ کیا خوشخبری ہے ؟

ثروت :- بھائی جان کو انہوں نے نوکر کروا دیا ہے ۔ اور اب وُہ اسی شہر میں ہمارے پاس رہا کرینگے ۔ کیوں ہے نا خوشخبری ؟

بصیر :- ماشا اللہ ۔ جمیل ! تمہیں مبارک ہو !

ثروت :- مبارک ہو بھائی جان !

عائشہ :- مبارک ہو بیٹا ۔ اشرف تم جیتے رہو ۔ پروان چڑھو ۔
(پردہ تیزی سے گرتا ہے)

ختم شد